جلد 8 شمارہ 3 جون 2006ء جُمادی اوّل 1427ھ
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ○ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ○ (الاعلیٰ 14-15)
بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔
وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً
اللہ
صداقت
محبّت
سِلسلہ عالیہ توحیدیہ
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار
ماہنامہ
فلاحِ آدمیّت
گوجرانوالہ
Registerd
CPL No. 80
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

ماہنامہ
فلاحِ آدمیت
گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 8 شمارہ 3 جون 2006ء جمادی الاول 1427ھ

ایڈیٹر **وحید احمد**

قیمت ——— 20/- روپے
سالانہ فنڈ ——— 200/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد توحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

درس قرآن

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملکؒ)

قومی عظمت کا راز:

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ اگر تم ذاتی اصلاح کے بعد قرآن مجید پر عمل کرتے ہوئے اپنی صفوں کو درست رکھتے ہوئے اتحاد و یگانگت کا ثبوت دیتے ہوئے اصلاح و تبلیغ کا آغاز کرو گے تو پھر نہ دل شکستہ ہونا اور نہ غم کھانا کہ تم ہی سر بلند رہو گے، اور اس میں شرط یہ ہے کہ اگر تم عملی طور پر سچے مومن بن جاؤ۔ معلوم ہوا کہ غلبہ، حکومت، سر بلندی اور عزت اس دنیا میں اور آخرت میں مومنین کے لئے لکھ دی گئی بشرطیکہ وہ مومنین ہوں۔ اُن کی حیثیت کاغذی شیر کی سی نہ ہو۔ فی الوقت کیفیت یہ ہے کہ ہم بُھس بھرے شیر کی طرح ہیں۔ بُھس بھرے شیر کی کھال کی ہیبت اور دہشت تو وہی ہوگی، بچے کو اُس کے سامنے لائیں تو وہ ڈر جائے گا۔ اور یہی بچہ شیر کے اندر جب کوئی جان محسوس نہیں کرے گا، تو آہستہ آہستہ شیر کے قریب آئے گا۔ اُس سے کھیلنے لگے گا اور اُسے پھاڑ کے رکھ دے گا۔ اب کہنے کو ایک بچے نے شیر پھاڑ دیا لیکن در اصل وہ شیر تھا ہی نہیں۔ وہ شیر کی محض صورت یا شبیہ تھی۔ دیکھنے میں بچہ ایک کمزور تھا لیکن بحر حال وہ ایک چلتی پھرتی حقیقت تھی، ہم لوگ اسلام اور مسلمانوں کی محض ایک شبیہ ہیں۔ ہم میں اسلام کی حقیقی روح موجود نہیں، اس لئے کہ اسلام کی اصل روح اللہ تعالیٰ کا پیغام قرآن مجید ہے جو ہم میں سے ایک ہزار میں سے ایک نے بھی سمجھ کر نہیں پڑھا۔ اس اعتبار سے ہماری حیثیت بُھس بھرے شیر کی سی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر کوئی ہم سے یہ پوچھے کہ مسلمان دنیا بھر میں مغلوب کیوں ہیں؟ اس کا جواب نہایت آسان ہے کہ اگر وہ مسلمان ہو کر مغلوب ہیں تو یقیناً وہ اچھے مسلمان نہیں، جنہیں قرآن کی زبان میں مومنین کہا جا سکتا ہو۔

مومن کی اصل ذمہ داری

آگے چل کے حضور اکرم ﷺ کیلئے ارشاد ہوتا ہے اور یہ عہد سامنے آتا ہے کہ دعوت و تبلیغ اور اس پر استقامت کا کام ہر حال میں جاری رہنا چاہئے، حتیٰ کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی جاری و ساری رہے گا۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ط افائن مات

او قُتل انقلبتم علی اعقابکم ط ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللہ شیئا ط و سیجزی اللہ الشکرین o

''حضرت محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں اُن سے قبل اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو اُلٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا۔ البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کے رہیں گے، انہیں وہ اُس کی ضرور جزا دے گا۔'' (آل عمران: 166)

مبلغ میں عالی ظرفی

یہ بات بیان کرنے کے بعد فوراً ایک اور موضوع کا بیان ہے اور وہ ایسا کام ہے جس کے لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنی راحت کو تج دیا، اپنے ہر آرام کو قربان کر دیا اور ہر شخص کی غلط ترین اور سخت ترین بات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ انتہائی بے نفسی کے عالم میں انہوں نے دین سکھانے اور اسے پھیلانے کیلئے کیا قربانی دی؟ اور کس طرح اپنے آپ کی نفی کر دی۔ اس کی شہادت قرآن مجید دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فبما رحمتہٍ من اللہ لنت لھم ج ولو کنت فظاغلیظ القلب لانفضوا من حولك ص فاعف عنھم واستغفرلھم وشاورھم فی الامر ج فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ط ان اللہ یحب المتوکلین o ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم ج وان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہ ط وعلی اللہ فلیتوکل المئومنون o

''اے پیغمبر ﷺ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اُن لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر تم تند خو ہوتے تو یہ سب تمہارے اردگرد سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو اور اُن کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں اُن کو بھی شریک مشورہ رکھو پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو پھر اللہ پر بھروسا رکھو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں

اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا۔ پس جو سچے مومن ہیں اُن کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہئے۔"

یہ دیکھئے کہ یہ کہہ کون رہا ہے اور کس سے کہہ رہا ہے؟ اللہ کا شکر ہے کہ اُس کے فضل و کرم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت نرم خو ہیں، پھر اس بات کو پسند فرما کر اللہ تعالیٰ مزید ہدایت فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو معاف کرتے رہا کرو۔ اُن کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا کرو اور اُن میں سے جو لوگ غلط کام کریں، اُن کیلئے بخشش کی دعا مانگتے رہا کرو۔

شورائیت

پھر آگے چل کے یہ بھی فرمادیا کہ ہر کام مشورے سے کرنا ہے، حالانکہ انبیاء کو مشورے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی ۔ نبی کو تو براہ راست اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے ۔ اُن کو مخلوق سے مشورے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن چونکہ ہماری تربیت مقصود ہے، اس لئے فرمایا کہ وہ لوگ جو دین کا کام کر رہے ہیں، اُن کو شریک مشورہ رکھا کریں تا کہ معلوم ہو کہ مسلمان جب بھی کوئی کام کرتے ہیں تو مشورے اور شورائیت سے کام لیتے ہیں ۔ البتہ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہم لوگ سادہ اکثریت کے غلام نہیں اور سادہ اکثریت سے ہم بھٹکنے والے نہیں ۔ جیسا کے آگے چل کے یہ موضوع زیر بحث آئے گا کہ اکثریت ہمارے نزدیک کوئی معیار حق نہیں ۔ پھر فرمایا کہ جب مشورہ کرلو اور کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو پھر اللہ پر بھروسا رکھو اور کام کو شروع کر دو۔ بھروسا اور توکل سے مراد یہ ہے کہ انسان جتنے طریقے اختیار کر سکتا ہے جتنے اسباب مہیا کر سکتا ہے کر لے۔ اس کے بعد اللہ پر چھوڑ دے۔ مثلاً ایک کسان زمین میں ہل چلاتا ہے اُسے نرم کرتا ہے، اس میں بیج بکھیرتا ہے پھر اُسے پانی دیتا ہے پھر اُس بیج کی حفاظت کرتا ہے اور پھر اللہ پر بھروسا کرتا ہے ۔ اس لئے کہ کسان یہی کچھ کر سکتا تھا، اس نے کر دیا۔ اب بیج میں سے کونپل اُگانا اُس کے بس کی بات نہیں ۔ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کرے گا۔ کسان جو کچھ بھی کر سکتا ہے، وہ کر گزرتا ہے اور جہاں اس کے اسباب کی حد ختم ہو جاتی ہے، وہاں وہ خدا کے حضور ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اسے بھروسا کہتے ہیں۔

صوفی شاعر میاں محمد فرماتے ہیں:

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھول لانا لاوے یا نہ لاوے

توکل کی حقیقت

عزم بالجزم کر کے اور تمام اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کا نام لے کر اُس کی طرف بڑھتے چلے جاؤ۔ اللہ پر بھروسا رکھو اور اگر اللہ پر بھروسا کرو گے تو یقیناً اللہ تمہاری مدد کرے گا اگر وہ مدد کرے تو پھر کسی اور کی مدد کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اصل سپر پاور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اگر اللہ کی ذات سے تعلق قائم ہو جائے تو پھر ہر طاقت خواہ وہ کوئی سپر پاور ہی کیوں نہ ہو، چلتا پھرتا سایہ یا بھُس بھرا شیر بن جاتی ہے اور اگر اللہ کی ذات سے تعلق کمزور پڑ جائے تو ہر تنکا بھی سپر پاور نظر آتا ہے۔

عظمت نبوت

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک ایسا پیغمبر بھیجا جو اُس کی آیات اُنہیں سناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں کہ اگر ہم اُنہیں شمار کرنا چاہیں گے تو نہیں کر سکیں گے۔ لیکن بہت کم ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی احسان جتایا ہو۔ یہاں کہاں جا رہا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر بہت بڑا احسان کیا اور وہ احسان یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں میں اُنہی بندوں میں سے ایک رسول بھیجا۔

رسول کے چار بنیادی کام ہیں۔ وہ اُنہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ باطن کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دِیتا ہے اور یہ چار کام کرنے کے بعد فرمایا کہ تم سب دامے، درمے، سخنے اور قدمے اِسی کام میں لگ جاؤ۔

جان بدہ ، جان بدہ ، جان بدہ
فائدہ در گُفتن بسیار چیست؟

زیادہ بڑکیں ہانکنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اُس کے راستے میں اپنی جان نچھاور کر دو کہ بقول غالب۔

جاں دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مقامِ شہید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہِ امواتا۔ بل احیاء عند ربھم یرزقون o

,,جولوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کو رزق مل رہا ہے''۔ (آلِ عمران۔169)

ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جو چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس چیز کو کئی گنا کرنے کے بعد واپس کر دیتے ہیں۔ کوئی شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے کئی گنا کر کے لوٹا دیتے ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص اللہ کی راہ میں وقت دینے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے وقت میں اِس قدر برکت ڈال دیتے ہیں کہ اکیلا شخص کئی کئی یونیورسٹیوں کے برابر کام کر جاتا ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا کام ہمارے سامنے ہے۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

یوں اکیلا آدمی پورے لشکر پہ بھاری ہو جاتا ہے۔ اِس لئے کہ اللہ اُس کی صلاحیتوں میں برکت دے دیتے ہیں۔ ایسے ہی جو شخص اللہ کی راہ میں جان لٹا دے، ایسی زندگی عطاء ہوتی ہے جس کا نقشہ یہاں کھینچا گیا۔ ذرا غور کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فرحین بما اتھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم ۔ الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون o یستبشرون بنعمۃ من اللہِ وفضل ۔ وان اللہَ لا یُضیع اجر المومنین o

,,جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُس پر خوش وخرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان دینا میں اُن کے پیچھے رہ گئے ہیں، ابھی وہاں نہیں پہنچے، اُن کیلئے بھی کسی خوف ورنج کا موقع نہیں۔ وہ اللہ کے انعام اور اُس کے فضل پر شاداں وفرحاں ہیں اور اُن کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اَجر کو ضائع نہیں کرتا''۔ (آلِ عمران:170-171)

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اور اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں باور کرایا جاتا ہے کہ اُن سے دوگنا یا تین گنا لشکر آ رہا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے تو اللہ کافی ہے یعنی ,, **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** '' یہ وہ کلمہ ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آگ کی طرف جاتے ہوئے پڑھا۔ یہ وہ کلمہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جانثار صحابہؓ نے میدانِ بدر کی طرف جاتے ہوئے پڑھا تھا۔

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا۔ وقالوا حسبنا اللہُ و نعم الوکیل o

فانقلبوا بنعمۃٍ من اللہ و فضل لم یمسسھم سوء و اتبعوا رضوان اللہ۔ واللہ ذوفضل عظیم o

,, اور وہ جن لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی افواج جمع ہوئی ہیں، تم اُن سے ڈرو، تو یہ سن کر اُن کا ایمان اور بڑھ گیا اور اُنہوں نے جواب دیا ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے اور اُن کو کسی چیز کا ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا ثواب بھی حاصل ہو گیا اور اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے''۔ (آلِ عمران: 173-174)

تدبر کی دعوت زمین و آسمان اور مخلوقات میں غور و فکر

سورۃ آلِ عمران کے آخری حصہ کے مضامین بالکل واضح ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب o

الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وَّ علی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض ۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحنک فقنا عذاب النار o

ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہٗ وما للظلمین من انصارٍ o

,, زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور دن اور رات کے باری باری آنے میں ان ہوش مند

لوگوں کیلئے واضح نشانیاں ہیں جو اُٹھتے بیٹھے اور لیٹتے جاگتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ وہ بے اختیار بول اُٹھتے ہیں، پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ تو نے جسے دوزخ میں ڈالا، اُسے دراصل بڑی ذلت اور رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔'' (آلِ عمران: 190-192)

ذکرِ الٰہی پہ توجہ مرتکز کرنے کا طریقہ

پہلی بات یہ ہے کہ ذکر جب راسخ ہو جاتا ہے تو فکر میں ڈھل جاتا ہے۔ اُسی کی فکر لگ جاتی ہے۔ اور دھیان اُسی کی جانب بندھ جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ذکر پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے کلمات بار بار ہمارے منہ سے کہلوائے جاتے ہیں۔ ہم اذان بار بار سنتے ہیں اللہ اکبر، سبحان اللہ اور سورۂ فاتحہ کی نماز میں تکرار، بار بار کے یہ قول وقرار بے معنی نہیں۔ یہ الفاظ، یہ تکرار اور یہ اصرار انسان کی شخصیت میں آہستہ آہستہ اثر انداز ہوتے ہیں، اسی طرح ذکر کا مطلب زبان سے تسبیح وتحمید کی شکل میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہے۔ ذکر کی جتنی بھی صورتیں ہیں، ان سے ایک فکر جنم لیتی ہے اور سوچ اور دھیان کا ایک سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کے ہوش مند بندے وہ ہیں جو آسمان اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ یہ سب چیزیں وجود میں کیسے آگئیں؟ اور ہر ایک چیز کو مشاہدے کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جب وہ غور وفکر کرتے ہیں تو پکار اُٹھتے ہیں۔

''اے ہمارے پروردگار تو نے ان چیزوں کو بیکار پیدا نہیں کیا'' یہ بہت بڑے مدبر اور کارساز کا نظام ہے، جس میں کوئی چیز بے کار نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہمیں بار بار غور وفکر اور مشاہدے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن اور اسلام ہمیں اندھے عقیدے کی طرف نہیں بلاتے۔ ہمارے ہاں اس کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے کہ یہ وہ کتاب نہیں جو سائنس کے حقائق سے ٹکرا جائے۔ سائنس مطالعہ فطرت کا نام ہے اور اسلام دینِ فطرت ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں جڑواں بہنیں ہیں یا پھر باہم لازم وملزوم ہیں۔ اس لئے اسلام اور سائنس کے درمیان کہیں بھی تصادم کی کیفیت موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بار بار غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

ایک فریاد

ربنا اننا سمعنا منا دیا ینادی للایمان ان امنو ابربکم فامنا

ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفرعنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار ٥ ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلك ولا تخزنا یوم القیمة ط انك لاتخلف المیعاد٥

''مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا (نبی اکرم ﷺ) ایمان کی طرف بلاتے تھے اور کہتے تھے کہ ''اپنے رب کو مانو! ہم نے اُن کی دعوت قبول کرلی۔ پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں، اُن سے درگزر فرما اور جو برائیاں اور خطائیں ہم میں موجود ہیں، انہیں معاف کردے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوند! تو نے جو وعدے اپنے رسولوں کے ذریعے سے کئے ہیں، اُن کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں ذلت اور رسوائی میں نہ ڈال۔ بے شک تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا'' (آل عمران: 193.194)

اس کے جواب میں اُن کے رب کریم کا ارشاد ہوتا ہے:

انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکراوانثی ج بعضکم من بعض فالذین ھاجروا و اخرجو من دیارھم واوذو افی سبیلی وقتلو اوقُتلو الا کفرن عنھم سیاتھم ولا دخلنھم جنت تجری من تحتھاالا نھر ثوابا من عنداللہ ط واللہ عندہ حسن الثواب٥

''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے، میرے لیے لڑے اور مارے گئے، اُن سب کے قصور معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اُن کے لئے اللہ کی جزا ہے۔ بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔'' (آل عمران: 195)

یہاں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا ہم جنس قرار دیا ہے۔ ہمارے ہاں فرانس جیسی صورتحال درپیش نہیں جہاں یہ بحث چل نکلی ہو کہ آیا عورت انسان بھی ہے یا نہیں؟ ایسی صورتحال ہرگز نہیں۔ قرآن پاک نے فیصلہ کردیا کہ دونوں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔ (جاری)

فتنہ مکرر

کفار سے رواداری

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ تعالیٰ دین کے معاملے میں انسانوں پر کسی بھی قسم کا دباؤ نہیں رکھتے اس لئے اپنے اپنے دور میں تمام انبیاء نے بڑی دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کے سامنے اللہ کی الوہیت کے دلائل پیش کئے اور انہیں آخرت کی زندگی کے بارے میں آگاہ کیا تاکہ وہ برضا و رغبت ایمان لا کر فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو دعوت دین کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمه والموعظه الحسنه وجادلهم بالتی هی احسن ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین۔ (النحل ۔125)

ترجمہ!''آپ ﷺ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت سے بلایئے اور اِن کے ساتھ نہایت ہی اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ جو شخص اِس کے راستہ سے بھٹک گیا آپ کا رب اِسے بھی خوب جانتا ہے اور جو ہدایت پانے والے ہیں اِن سے بھی خوب واقف ہے''۔

قرآن کریم میں یہ ہدایات بھی دی گئی ہیں کہ آپ ﷺ کا کام پیغام حق پہنچا دینا ہے اور ہدایت دینا اللہ کا کام ہے وہ جسے راہ راست پر لانا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کی حقانیت کے لئے کھول دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ بھی مخالفین کے ساتھ خوش خلقی اور شیریں کلامی سے پیش آیا کریں۔ اہل اسلام کو ایمان کی دولت نصیب ہو جانے پر اللہ کا بہت شکر گذار ہونا چاہئے لیکن ان کے لئے یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ ایمان نہ لانے والوں کو برا بھلا کہیں اور ان کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتے پھریں۔ گذشتہ صفحات میں فتح مکہ کے جو واقعات تحریر کئے گئے ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جو کفار دین اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں اور مسلمانوں کی سرگرمیوں اور پیش رفت میں مزاحم ہوں ان کی قوت کو توڑنا تو ضروری ہے لیکن جب وہ لوگ سرنگوں ہو جائیں تو پھر عقائد کی بنیاد پر ان کو قتل کرنے یا ان پر کسی قسم کا جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جنگ کے دوران بھی صرف اتنی ہی خونریزی کرنے کا حکم ہے جس سے

باطل کی حمایت میں ہتھیار اٹھانے والوں کی قوت ٹوٹ جائے۔ جنگی کاروائی کے دوران عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں، مریضوں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان نسل انسانی کا ازلی دشمن ہے اور عداوت کی وجہ سے اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کے درمیان کسی نہ کسی طریقے سے جھگڑے پیدا کر کے انہیں لڑواتا اور خونریزی کرواتا رہے۔ اس لئے تم اللہ کے دین کی تبلیغ نہایت مہذب اور احسن طریقے سے کرنا اور اختلاف عقائد کی بنیاد پر تفرقے اور جھگڑے نہ ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایات غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

وقل لعبادی یقولو التی ھی احسن ان الشیطن ینزغ بینھم ان الشیطن کان للا نسان عدوا مبینا ٥ ربکم اعلم بکم ان یشا یرحمکم او ان یشاء یعذبکم وما ارسلنك علیھم وکیلا٥

(بنی اسرائیل۔ 53تا54)

ترجمہ! اور آپ ﷺ میرے سبھی بندوں کو کہہ دیجئے کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت ہی پسندیدہ ہوں۔ کیونکہ شیطان بری باتوں سے ان میں فساد ڈلواتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان بنی نوع انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمھارا رب تم سے خوب واقف ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا"

معلوم ہوا کہ ایسی بات زبان سے نکالنا جس سے کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے شیطان کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کتنا پارسا یا گنہگار ہے آخر کار ہر ایک کو اس کے پاس لوٹنا ہے اور وہ جیسا چاہے گا ہر ایک کے ساتھ سلوک کریگا۔ اس لئے اہل ایمان کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ غیر مسلموں سے غیر انسانی برتاؤ کریں یا ان کے مذہبی عقائد کا تمسخر اڑا کر ان کا دل دکھائیں۔ جو لوگ جانوروں، پتھر کے بتوں یا دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں ان کے دلوں میں اپنے باطل معبودوں کا ویسا ہی احترام ہوتا ہے جیسا کہ مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔ انہیں اپنے آباؤ اجداد کا دین ہی سچا نظر آتا ہے اور انہیں اپنے خود ساختہ عقائد اپنی جانوں سے بھی زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باطل پرست قومیں اللہ کے عذاب سے یا مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئیں لیکن انہوں نے اپنے بے بنیاد عقائد سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔ مشرکین اپنے بتوں کی ہتک یا ان کے خلاف ناپسندیدہ کلمات ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ ان کے معبود نہایت ہی مقدس اور بزرگ ہستیوں کا درجہ رکھتے

ہیں۔اپنے اپنے دینی عقائد اور بزرگ ہستیوں سے محبت رکھنا ایک فطری بات ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے جذبات اور احساسات کو مدنظر رکھنے کے لئے قرآن کریم میں جو تلقین فرمائی ہے وہ قابل غور اور مبلغین اسلام کے لئے مشعل راہ ہے

ولو شاء اللّٰہ مااشرکوا وما جعلنك علیھم حفیظا وما انت علیھم بوکیل ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلك زینا لکل امه عملھم ثم الی ربی مرجعھم فینبھم بما کانوا یعملون (الانعام۔107تا108)

ترجمہ!''اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ ہی آپ ان کے داروغہ ہیں۔اے اہل ایمان! جن ہستیوں کو یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا بھلا نہ کہنا۔کہیں یہ بھی اللہ کو بے سمجھے بے ادبی سے برا نہ کہہ بیٹھیں۔اسی طرح ہم نے ہر امت کے اعمال انکی نظروں میں خوشنما بنا دئے ہیں۔آخر کار تو ان کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہی ہے تب وہ انکو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس حقیقت سے آگاہ فرمادیا کہ آپ کی انتہائی خیرخواہی اور مثالی جدوجہد کے باوجود بھی سب لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔کئی لوگوں کے دل ان کی مسلسل بداعمالیوں اور شرارتوں کے سبب مردہ ہو چکے ہیں۔آپ کی نصیحتوں اور قرآن کی آیات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں۔ان کے دلوں کے امراض لاعلاج حد تک بڑھ چکے تھے اور اللہ نے ان پر مہریں لگادی ہیں۔اس لئے اگر یہ لوگ عقیدہ توحید کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنے بتوں کی پرستش پر ہی اڑے رہنے پر بضد ہیں تو پھر ان الفاظ کے ساتھ انہیں انکے حال پر چھوڑ دیجئے۔

قل اللہ عبد مخلصا له دینی٥فاعبدوا ماشئتم من دونه (الزمر14تا15)

ترجمہ!''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے دین کو خالص کر کے صرف اللہ کی بندگی کرتا ہوں۔اے گروہ مشرکین تم اس کے سوا جس کی چاہو پرستش کرو''

تبلیغ دین اور اصلاح کا کام وسعت قلب ،تحمل ، بردباری اور انتہائی قوت برداشت کا متقاضی ہے۔اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کے دلوں میں جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے بے پناہ احترام ومحبت ،شفقت ورحمت اور انتہائی خیرخواہی کے جذبات موجزن نہ ہوں تبلیغ

دین کا عظیم کام بارآور نہیں ہوتا۔ یہاں حضور رحمت اللعالمین ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ایک واقعہ بیان کردینا دلوں کی تقویت کا باعث ہوگا۔ ایک دن آپ ﷺ اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے حق ناشناس لوگوں نے آپ ﷺ کو اس قدر مارا کہ سر مبارک پھٹ گیا اور اتنا خون بہا کہ جوتوں کی ایڑیوں میں جمع ہوگیا اور آپ ﷺ بے ہوش گئے۔ کچھ دیر بعد آپ ﷺ کو ہوش آیا تو جبرائیل علیہ السلام نے آکر سلام کیا اور آپ کی تشفی فرمائی اور ایک دوسرے فرشتے کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ وہ فرشتہ بھی سلام بجالایا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ جو بھی حکم دیں اس کی فوراً تعمیل کروں۔ میں پہاڑوں پر تعینات ہوں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو آن واحد میں طائف کے پہاڑوں کو آپس میں ملادوں اور جتنی بستیاں بیچ میں ہیں سب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان میں دب کر فنا ہوجائیں۔ صرف آپ ﷺ کے حکم کی دیر ہے۔ لیکن اس مقدس ہستی، جس کے دل میں اللہ نے انسانوں کے لئے بے پناہ محبت ڈال کر اسے سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ میں ان لوگوں کی تباہی ہرگز نہیں چاہتا۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ سب مسلمان ہوجائیں اور ان کی اولاد اور نسلوں میں وہ لوگ پیدا ہوں جو چار دانگ عالم میں تیرا پیغام پہنچادیں اور دین اسلام کے نور سے زمین کے چپہ چپہ کو جگمگادیں''۔ یہ ہے حضور صاحب خلق عظیم ﷺ کی کمال قوت برداشت کا بے مثال نمونہ۔ آپ ﷺ اپنے مخالفین کی ہر سختی، درشتی اور ایذا رسانی انتہائی حلم کے ساتھ سہتے رہے لیکن انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے انسانوں کے ساتھ اپنی محبت اور ہمدردی میں کبھی کمی نہ آنے دی اور آخر دم تک انہیں اللہ کی عبادت مغفرت اور جنت کی طرف دعوت دیتے رہے۔ صرف اتنا ہی نہ تھا کہ حضور ﷺ نے گالی کے بدلے کبھی گالی نہ دی یا پتھر کے بدلے کبھی پتھر نہ مارا بلکہ کمال یہ ہے کہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے خلاف کبھی دل میں بھی کوئی برا خیال نہ آنے دیا۔ مخلوق کے ساتھ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ جو انسان سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوگا اسے مخلوق خدا کے ساتھ محبت بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ یہ مرتبہ حضور رحمت اللعالمین ﷺ کو حاصل ہے۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے صالحین بھی اللہ کے قرب کی نسبت سے اللہ کی مخلوق کی محبت اور خدمت کی روش پر ہی چلتے رہے ہیں۔ کیونکہ دل محبت ہی سے فتح کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج زمین کا کونہ کونہ مسلمانوں سے بھرا پڑا ہے۔ بنیادی طور پر ہر مسلمان دین اسلام کا مبلغ ہے اور اس کا فرض ہے کہ خود اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچائے اور دوسرے انسانوں کو بھی دعوت

دین دیگر اس سے بچانے کی حتی المقدور سعی کرتا رہے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اپنے آقا و سردار نبی مکرم خلق مجسم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رحم و کرم، عفو و درگذر اور محبت و مودت جیسی عادات اپنے اندر پیدا کرے۔ درد دل اور عالمگیر محبت کا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں سے نہیں ملتا۔ البتہ اہل محبت یعنی اللہ والے فقیروں کے سینوں سے مل جاتا ہے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے نتائج ہماری مرضی کے مطابق ہی نکلیں۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ تمام انسانوں کے دل اللہ کی مٹھی میں ہیں وہ جس کسی کو اور جب چاہے ہدایت نصیب فرما سکتا ہے۔ ہر خیر کیلئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اگر کسی پر اس کے برے اعمال کی وجہ سے بدبختی غالب آ چکی ہو تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی نفرت کا برتاؤ نہیں کرنا چاہئے اور انسانوں کی بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس انداز فکر اور طرز عمل کے بغیر عالمی امن اور وحدت آدمیت کا حسین خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ حضور رحمۃ العالمین ﷺ کے سچے وارث اور علمائے حق جنہیں ہم اولیاء اللہ کے پیارے نام سے یاد کرتے ہیں یہی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ گناہوں سے تو نفرت کرتے ہیں لیکن گنہگاروں سے دلی محبت کرتے اور ان کی اصلاح کیلئے دلسوزی کے ساتھ کوشاں رہتے ہیں۔ وہ دین کی دعوت قرآنی احکام کے مطابق دانش و حکمت، دلیل و برہان اور رحمت و رافت کے ساتھ دیتے ہیں اور کبھی بھی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی دل آزاری کے مرتکب نہیں ہوتے۔ حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کے ایک ہنر مند معتقد نے آپ کی خدمت میں ایک خوبصورت قینچی نذر کرنا چاہی تو حضرت شیخؒ نے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ "درویش اور فقیر کے پاس اس قینچی کا کیا کام؟ یہ خود بھی حصوں میں بٹی ہوئی ہے اور دوسری چیزوں کو بھی قطع کرتی اور ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ فقیر کو تو وہ سوئی پسند ہے جو صرف الف کی طرح سیدھی اور وحدت کی علامت ہے۔ جو کٹے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑ کر انہیں آپس میں ملا دیتی ہے۔ دوسروں کی عریانی اور برہنگی کو ڈھانپنے کے لئے کام کرتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے۔ ہم فقیروں کا کام تو انسانی رشتوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "اپنے اندر اللہ جیسی عادات و اخلاق پیدا کرو"

اللہ کا قرب اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق سے پیار کرتا ہے اور کافر و مومن اور رند و زاہد دونوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اسی طرح مومن کو بھی عالمگیر محبت کا

اصول اپنا کر اپنے دل ودماغ اور روح کو محبت کے رنگ میں رنگ لینا چاہئے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی تصنیف ''طریقت توحیدیہ'' میں محبت کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا۔

''اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ مجنوں تو لیلیٰ کے کتے سے بھی محبت کرتا تھا تم کیسے محب ہو کہ اپنے محبوب کی مخلوق سے بھی محبت نہیں کرتے''

علامہ اقبالؒ بھی قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے یہی نصیحت کرتے ہیں کہ کافر اور مومن دونوں خدا کی مخلوق ہیں اس لئے کسی کے خلاف بھی برا کلمہ زبان پر نہیں لانا چاہئے۔ انسانوں کا احترام کرنا ہی کمال آدمیت ہے اور بندہ مومن اللہ کی طرح کافر ومومن دونوں پر شفقت کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

حرف بدرا برلب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلق خداست
آدمیت؟ احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی
بندہ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے کہ کیا آپ لوگوں کو ناپسند کریں گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ ارشاد ہوا ہے۔

ولوشاء ربك لامن من فی الارض کلھم جمعیاافانت تکفر ہ الناس حتی یکونو اومومنین (یونس۔99)

ترجمہ! ''اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایکدم ایمان لے آتے۔ تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے یا انہیں برا سمجھیں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں''

قندمکرر

حدیث کی حقیقت اور خواب کی تعبیر

(آفتاب احمد خانؒ)

''وقت گذرتے دیر نہیں لگتی۔اس طرح میں قبلہ انصاری صاحبؒ سے تقریباً روزانہ شام کو ملاقات کے لئے حاضر ہوتا رہا۔ ہر ملاقات سے دل اتنا متاثر ہوتا گیا کہ میں بیان نہیں کرسکتا اور شوق دید اسی حوالے سے بڑھتا ہی گیا۔ آخر ایک ہفتہ گذر گیا اور میں نے دوسرے حلقہ ذکر میں شمولیت کی۔ کسی زمانے میں ایک حدیث مبارکہ نظر سے گذری تھی ۔حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتی ہے تو اللہ کے فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ فرشتوں سے کرتے ہیں (رواہ مسلم) میں اس حدیث شریف کی اصل حقیقت سے بے بہرہ تھا لیکن جب محفل ذکر شروع ہوئی تو سارے پردے چھٹ گئے اور حضور پاک ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے ۔مکمل اطمینان اور روحانی استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی اور اللہ بہت قریب تھا۔شہرگ سے بھی قریب۔سبحان اللہ۔ ذکر پاک اس طرح اختتام پذیر ہوا۔ میں قبلہ حضرتؒ کی داہنی جانب قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔آپ نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا

''کیوں حلقہ ذکر کیسا رہا؟ میں نے عرض کیا کہ جناب کیا عرض کروں میرے پاس اس کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔آپ نے فرمایا کہ اسی لئے سرخ ہورہے ہو اور مزید یہ فرمایا کہ یہ کسی کا کمال نہیں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر اور رسول اللہ ﷺ کے درود پاک کا کیا دھرا ہے۔بس جو توحید اور رسالت پر قائم ہوگیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوگیا۔بس دلجمعی سے اس کام میں لگو رہو بہت کچھ حاصل ہوگا۔آپ نے خاص طور پر پاس انفاس کرنے کی تاکید فرمائی اور اسکا طریقہ بھی کرکے دکھایا۔ پھر آپ نے مجھے ''طریقت توحیدیہ'' کی ایک کاپی عنایت کی اور فرمایا کہ اس میں سب کچھ ہے اسے غور سے پڑھو۔ 1947ء میں ستمبر کے مہینے میں جب میں اپنے خاندان کے ساتھ کلانور سے ہجرت کرکے پاکستان آیا تو ایک رات مکان کی چھت پر میں اکیلا ہی لیٹا ہوا تھا۔ میں چاند کی چاندنی میں بھی اپنے آپ کو بہت ہی غمگین اور اداس محسوس کررہا تھا۔ میں گہری سوچ

میں تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے کیا کھویا اور یہاں پاکستان میں کیا پایا۔ ہندوستان کی مساجد ،اولیاء کرام کے مزارات اور دیگر عالی شان عمارات میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھیں ۔اسی اداسی میں میں نے درود پاک کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد میں ہوش میں نہ تھا لیکن پھر بھی بلند آواز سے درود پاک پڑھتا رہا۔میرے والد صاحب نے میری آواز سنی تو وہ چھت پر آگئے ۔انہوں نے مجھے جھنجوڑا تو میں اس حالت سے بیدار ہوا۔ والد صاحب فرمانے لگے کیا بات ہے تم رو کیوں رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں ۔میں تو درود پاک پڑھ رہا تھا کہ ہوش نہیں رہا۔ پھر کچھ دیر بعد مجھے نیند نے آگھیرا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پرانی کھنڈر عمارت کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں ہیں ۔میرا جی چاہا کہ اپنے غم کی بھڑاس آنسوؤں سے نکال لوں اور پھر میں سیڑھیوں پر اوندھے منہ لیٹ گیا اور جی بھر کر رویا۔ روتے روتے مجھے سیڑھیوں کی خاک سانس کے ساتھ اپنے حلق میں جاتی محسوس ہوئی ۔پھر مجھے سیڑھیوں کے اوپر کسی بزرگ کی موجودگی محسوس ہوئی ۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو واقعی تقریباً 75 سالہ ایک بزرگ بڑی تمکنت کے ساتھ وہاں تشریف فرما تھے ۔ان کی آنکھیں سرخ اور بارعب تھیں جیسے ان سے شعائیں نکل رہی ہوں اور وہ خاموشی سے میری طرف دیکھ رہے تھے مگر میرے کان ان کے الفاظ یوں سن رہے تھے ''یہ تم ٹھیک کہتے ہو کہ مسلمانوں کو جو ہندوستان چھوڑنا پڑا ہے ۔یہ بہت بڑا نقصان ہوا ہے مگر اللہ کو یہی منظور تھا اب ہندوستان کا ایک خطہ مکمل طور پر ہمارا اپنا ہے ۔اب ہمیں یہاں ایک نئی زندگی کا آغاز حق اور صداقت کے اصولوں پر کرنا ہے ۔رونے کی کوئی بات نہیں ہمیں صبر و ہمت سے اس کام میں لگ جانا چاہئے'' آج حلقہ ذکر کے بعد جب میں نے قبلہ حضرت انصاری صاحبؒ کو دیکھا تو فوراً اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تو وہی کھنڈر کی عمارت کی سیڑھیوں والے بزرگ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ 15 برس بعد میرے خواب کی تعبیر حقیقت بن کر میرے سامنے آگئی ۔ میں نے قبلہ حضرتؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔

توہین رسالت ﷺ اور اس کی سزا

(محمد الیاس اظہر الازہری)

صحابہ کرامؓ کی غیرت ایمانی اور حب رسول ﷺ

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ ابن عمرؓ کے ایک صاحبزادے نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ اس طرح آگے چل کر آزادی، فساد اور آوارگی کا بہانہ بنالیں گی۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ بہت ناراض ہوئے بیٹے کو برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں حضورؐ کا ارشاد سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے؟ اسکے بعد اس بیٹے سے ہمیشہ کیلئے بولنا چھوڑ دیا۔

(مسلم۔ابوداؤد)

(۲) حضرت عبداللہ بن مفضل کا ایک نوعمر بھتیجا تھا جو انگوٹھے پر چھوٹی سی کنکری رکھ کر انگلی کی مدد سے پھینک رہا تھا۔ اس کھیل کو ''خذف'' کہتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا تو فرمایا۔ بھتیجے ایسا نہ کرو کیونکہ حضورؐ نے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کھیل سے فائدہ کچھ نہیں۔ نہ شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر اتفاقاً کسی کو لگ جائے تو آنکھ پھوٹ سکتی ہے یا دانت ٹوٹ سکتا ہے۔ بھتیجا کم عمر تھا۔ جب چچا کو غافل پایا تو پھر کھیلنے لگا۔ انہوں نے دیکھ لیا اور فرمایا کہ میں تجھے حضورؐ کا ارشاد سناتا ہوں تو پھر اسی کام کو کرتا ہے؟ جا! خدا کی قسم تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم نہ تیرے جنازے میں شریک ہوں گا نہ تیری عیادت کرونگا۔

(ابن ماجہ۔دارمی)

(۳) حضرت خبیبؓ کو کافروں نے جب سولی پر لٹکایا تو چالیس کافروں نے نیزے لے کر چاروں طرف سے ان پر حملہ کیا اور بدن کو چھلنی کر دیا اسی وقت کسی نے ان کو قسم دے کر یہ پوچھا کہ تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ اس وقت (محمدؐ) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں؟ انہوں نے فرمایا ''خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ میری جان کے بدلے میں ایک کانٹا بھی حضورؐ کو چبھے''۔

(فتح الاسلام)

(۴) جنگ احد میں جب مسلمان مشکلات کا شکار ہوئے اور خود آنحضرتؐ کے زخمی ہونے کی خبریں مدینہ منورہ پہنچیں تو مدینہ میں بہت بے چینی پھیل گئی۔ ایسے میں ایک انصاری خاتون نے

جب لوگوں کا مجمع دیکھا تو بے تاب ہو کر پوچھا کہ حضورؐ کیسے ہیں؟ کسی نے کہا کہ تمہارے والد شہید ہو گئے ہیں انہوں نے اناللہ پڑھکر پھر پوچھا کہ حضورؐ کیسے ہیں؟ کسی نے کہا کہ تمہارا خاوند بھی شہید ہو چکا ہے ایک اور شخص نے بیٹے کی اور کسی اور نے بھائی کی شہادت کی خبر سنادی۔ مگر یہ اصرار کر رہی ہیں کہ حضورؐ کیسے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضورؐ خیریت سے ہیں اور تشریف لا رہے ہیں۔ لیکن ان کی تسلی نہ ہوئی اور پوچھنے لگیں مجھے بتاؤ وہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارہ سے بتایا کہ اس مجمع میں ہیں۔ یہ دوڑی ہوئی گئیں اور اپنی آنکھوں سے حضورؐ کی زیارت کی تو آپ کا کپڑا پکڑ کر کہنے لگیں۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں جب آپؐ زندہ وسلامت ہیں تو مجھے کسی کی ہلاکت کی پرواہ نہیں۔ (خمیس)

(۵) حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک خاتون حاضر ہوئیں اور آکر عرض کیا کہ مجھے حضورؐ کی قبر مبارک کی زیارت کرادیں۔ حضرت عائشہؓ نے حجرہ شریفہ کھولا۔ ان خاتون نے زیارت کی اور رونا شروع کر دیا روتے روتے ان کا انتقال ہو گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ چند قصے مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ تو تمام صحابہ کرامؓ حضورؐ پر فدا اور قربان تھے۔ وہ جب بھی آپؐ سے مخاطب ہوتے تو "**فداك ابى و امي يا رسول الله**" سے کہلام کا آغاز کرتے تھے۔ بھلا وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ کوئی شخص ان کے سامنے حضورؐ کی شان اقدس میں گستاخی کر کے زندہ رہ سکے؟ چنانچہ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو آپؐ کے پہلے خلیفہ تھے، اولین فرصت میں اس جھوٹے دعویدار نبوت کی سرکوبی کیلئے ایک بڑا لشکر مدینہ منورہ سے تقریباً 1500 کلومیٹر دور یمامہ کے علاقے میں بھیجا۔ جسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے۔ اور پھر زمانے نے دیکھا کہ 600 قراء اور حفاظ صحابہ کرام نے شمع رسالت پر قربان ہو کر اس شاتم رسولؐ کو جہنم رسید کیا۔ اسکے بعد آج تک جس شخص نے بھی ختم نبوت کے کاشانہ کو نقب لگانے کی کوشش کی اسے اسکے انجام بد کو پہنچایا گیا۔ صرف مرزا غلام احمد قادیانی۔ شیطان رشدی۔ تسلیمہ نزین جیسے بدکردار لوگوں کو دشمنان دین فرنگی کافروں نے اپنے زیر سایہ پناہ دی اور یہ لوگ زیر زمین زندگی گذارنے پر مجبور ہوئے۔ اگرچہ عاشقان رسولؐ کے حملوں سے خائف ان لوگوں کی زندگی موت سے بدتر ہے۔ ویسے مرزا قادیانی کے دو مبلغوں کو افغانستان کے بادشاہ نے توپ دم کر کے اپنے سفیر کے ذریعے یہ پیغام بھیجا تھا۔ کہ "گر نبی ہستی اینجا بیا"۔ یعنی اگر تو نبی ہے

تو یہاں آ۔ تا کہ تیرا بندوبست بھی کروں۔

۷۔ گستاخ رسولؐ کی سزا احادیث کی روشنی میں

(i)۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک گستاخ رسولؐ یہودی عورت کو ایک صحابیؓ نے قتل کر دیا۔ جب تحقیق کے بعد حضور کی تسلی ہوگئی کہ واقعی وہ عورت توہین رسالت کی مرتکب ہوئی تھی تو آپ نے اس کا خون ضائع ہو جانے کا فتویٰ دے دیا اور فرمایا کہ اس کا خون بہا نہیں دیا جائیگا۔

(سنن ابی داؤد)

(ii) ایک شاعر اپنے اشعار میں حضور ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا اسے بھی قتل کر دیا گیا۔

(بخاری شریف)

(iii) حضرت عباسؓ نے اپنے ایک غلام کو گستاخی رسول ﷺ کی پاداش میں قتل کرا دیا۔

(مصنف عبدالرزاق)

(iv) امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''**الصارم المسلم علی شاتم الرسول**'' میں فتوی دیا ہے کہ گستاخ رسول ﷺ واجب القتل ہے اور اسکی توبہ بھی قابل قبول نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ سے لے کر آج تک مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی یا انفرادی کسی بھی گستاخ رسول ﷺ کو برداشت نہیں کیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا اُسے جہنم رسید کر کے ہی دم لیا۔ اس سلسلے میں چند تاریخی واقعات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(i) سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا کردار:۔

صلیبی جنگیں زوروں پر تھیں۔ کبھی مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو جاتا کبھی صلیبیوں کا۔ ایک موقع پر حاجیوں کا قافلہ زیارت حرمین شریفین کیلئے رواں دواں تھا کہ راستے میں صلیبی فوج نے انہیں گھیر لیا اور سب کو شہید کر دیا۔ ساتھ ہی فوجی دستے کے کمانڈر نے یہ توہین آمیز جملہ بھی کہا:۔ ''بلاؤ اپنے بدو نبیؐ کو جو تمہیں بچائے''، کسی ذریعے سے یہ الفاظ اور حجاج کرام کی شہادت کی خبر سلطان کو پہنچی تو سلطان مرحوم تڑپ اٹھا اور قسم اٹھائی کہ ''اگر خدا نے مجھے اس شاتم رسولؐ پر غلبہ عطا کیا تو اس موذی کو اپنے ہاتھوں جہنم رسید کروں گا''۔ قدرت خدا کی سلطان کو اُن صلیبیوں پر فتح حاصل ہوئی۔ ادھر اس گستاخ فوجی افسر کو بھی سلطان کی قسم کی اطلاع مل چکی تھی اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک مسلمان مجاہد سے پناہ طلب کر لی جو اس نے لاعلمی کی بنا پر دے دی۔ لیکن

Scanned with CamScanner

جب اس بد بخت کو سلطانؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطانؒ نے یہ کہکر اس کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کر دیا کہ "گستاخ رسول کی سزا موت ہے اور اس بد بخت کو کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی"۔

(ii) سلطان نور الدین زنگیؒ کا کردار:۔

سلطان نور الدین زنگی ایک طرف صلیبی جنگوں میں مصروف تھا تو دوسری طرف ایک سچے خواب کی وجہ سے پریشان تھا کہ مسلسل کئی روز سے خواب میں آقا ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو رہا تھا اور آقا فرما رہے تھے "نور الدین مجھے دو کتوں کے شر سے بچاؤ" یہ عجیب و غریب خواب خلیفہ نور الدین کو فوراً مدینہ منورہ کھینچ لایا۔ سلطان نے تمام اہل مدینہ کی دعوت کی لیکن وہ دو مطلوبہ اشخاص جن کی نشاندھی خواب میں ہو چکی تھی نہ پا کر بے چین ہو گیا۔ آخر اہل مدینہ اور خاص لوگوں سے پوچھ گچھ کے درمیان معلوم ہوا کہ ماسوا دو اجنبی بزرگوں کے جو مدینہ سے باہر ایک وادی میں دنیا سے کنارہ کش ہو کر زہد و عبادت میں مصروف ہیں باقی پورا مدینہ دعوت میں موجود ہے۔ سلطان کا یہ سننا تھا کہ فوراً ایک فوجی دستے کے ہمراہ ان "عابدوں" کے پاس پہنچ گیا۔ ان کے منحوس چہروں پر نظر پڑتے ہی سلطان نے پہچان لیا اور انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے تکیے کی تلاشی لی گئی تو یہ عقدہ کھلا کہ انہوں نے اپنی اس نام نہاد خانقاہ میں سے ایک سرنگ کھودی ہوئی ہے جو روضۂ اطہر تک جاتی تھی اور اب آقا ﷺ کے قدمین شریفین تک پہنچ چکی تھی۔ یہ بد بخت جو مٹی سرنگ سے نکالتے اسے مشکیزوں میں بھر کر بڑی راز داری سے دور صحرا میں بکھیر آتے تھے۔ جب پوری سازش بے نقاب ہو گئی تو سلطان نور الدین زنگیؒ نے پورے مجمع کے سامنے اپنے ہاتھ سے اُن دونوں گستاخان رسولؐ کے سر قلم کر دئے۔

(iii) غازی علم الدین شہید کا کردار سب کے سامنے ہے۔ یہ واقعہ ہمارے زمانے کا ہے جبکہ ایک بد بخت ہندو نے آنحضرتؐ کے خلاف ایک توہین آمیز کتاب بنام "رنگیلہ رسول" لکھی۔ اس کتاب نے پورے برصغیر کے مسلمانوں کو بے چین کر دیا۔ آخر کار اس بد بخت ہندو راجپال کا کام غازی علم الدین شہید نے خنجر کے ذریعے تمام کیا اور اسے جہنم رسید کر کے خود جنت الفردوس کا مستحق ٹھہرا۔

(iv) قریب ترین زمانے کے دو بد بخت کردار

"شیطان رشدی اور تسلیمہ نسرین"۔ اپنی دو گندی اور قابل نفرت کتب "شیطانی آیات" اور

''لجا'' کی بدولت واجب القتل قرار دئے جاچکے ہیں۔ان کے غلیظ سروں کی قیمت کئی ملین ڈالر مقرر ہو چکی ہے۔ چونکہ وہ فی الحال اپنے مغربی آقاؤں کی پناہ میں ہیں اسلئے زیر زمین کیڑوں مکوڑوں کی طرح جی رہے ہیں۔لیکن آخر کب تک؟ ایک نہ ایک دن کسی عاشق رسول ہی کی گولی کا نشانہ بن جائیں گے۔ اسلئے کہ گستاخان رسولؐ کو کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔

(۷) ہمارے ملک پاکستان میں ایک گستاخ رسولؐ ''یوسف کذاب'' جیل کے اندر ایک عاشق رسولؐ کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

ان تمام واقعات کے بعد تازہ ترین واقعہ ڈنمارک کے اخبارات میں چھپنے والے وہ کارٹون ہیں جن کے ذریعے حضورؐ کی توہین کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ دراصل یورپ کے صلیبی اب ایک نئی صلیبی جنگ شروع کر رہے ہیں۔اس کا آغاز تو نائن الیون کے بعد صدر بش کے ''کروسیڈ'' کے اعلان سے ہو چکا ہے مگر اب اس کا نام تہذیبوں کا تصادم بھی رکھ دیا گیا ہے۔لہٰذا ہمیں نہیں یقین کہ یہ لاتوں کے بھوت باتوں سے مانیں گے۔ کیونکہ ڈنمارک کے اخبارات کے بعد یورپ کے کئی دیگر ممالک کے اخبارات نے بھی یہ خباثت کی ہے بلکہ اس پر اصرار بھی کر رہے ہیں۔ تادم تحریر پوری اسلامی دنیا میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً اسکے خلاف مظاہرے، ہڑتالیں اور پر تشدد واقعات ہو رہے ہیں۔ جن کے نتیجے میں کئی عاشقان رسولؐ شہید ہو چکے ہیں۔ اب ان کارٹونسٹوں کو قتل کرنے والوں کیلئے بھی کروڑوں ڈالروں کے انعام مقرر ہو چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اقوام مغرب نے واقعی مسلمان کو مسلمان کر دیا ہے اور یہ خواب خرگوش میں مگن شیر اب بیدار ہو چکا ہے۔اس کا مظاہرہ افغانستان عراق اور فلسطین و کشمیر میں ایک نئے جذبے کے تحت ہو رہا ہے۔ اب جبکہ ڈنمارک کی بنی ہوئی اشیاء کا بائیکاٹ ہو رہا ہے۔ملٹی نیشنل کمپنیوں کے دفاتر پر حملے ہو رہے ہیں تو یورپ کے ''بنیا صفت'' گوروں کی عقل ٹھکانے آرہی ہے۔ اب وہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے معافیاں مانگ رہے ہیں۔ مگر کس سے؟ کیا رسول اکرمؐ کے سوا کسی اور کو معاف کرنے کا حق ہے؟

رسول اللہؐ نے تو اپنی دنیوی حیات میں اپنے خون کے پیاسوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ اپنے سینے سے لگایا۔ بقول شاعر

سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں!
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو عبائیں دیں

جو آپ کو جادوگر کہہ کر مکے سے بھاگ رہی تھی اسکی گٹھڑی اٹھانے میں مدد دی۔ جو رخ انور پر کوڑا پھینکتی تھی اسکی عیادت کی۔ جس نے دانت شہید کئے اس کو سینے سے لگایا۔ جس نے پیارے چچا کا کلیجہ چبایا اسے جنت کی بشارت دی۔ جس نے بیٹی کو شہید کیا اسے معاف کر دیا۔ حتیٰ کہ جنہوں نے قتل کا پروگرام بنایا اور مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا ان پر قابو پالینے کے بعد ''**انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم**''۔ کا مژدہ جانفزا سنایا۔ اور طائف کی وادی میں پتھراؤ کر کے لہولہان کرنے والوں کیلئے ''**اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون**'' کے تاریخی الفاظ کے ذریعے ان کی عاقبت سنوارنے کی دُعا کی۔

لیکن اب ان کی جگہ کون لے سکتا ہے؟ وہ تو ''**الرفیق الا علیٰ**'' میں اپنے محبوب حقیقی کے مہمان ہیں اب تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ''**ان شانئك ھوا لابتر**'' پر عمل درآمد کر کے دشمنان رسول کو ابتر یعنی بے نام ونشان کرنے کا وقت ہے نہ کہ معاف کرنے کا۔ جب اپنے حبیبؐ کو ''**ورفعنا لك ذكرك**'' کہکر تسلی دی گئی ہے کہ آپؐ کے ذکر کو ہم نے بلند کر دیا ہے تو کون مائی کا لال اس ذکر کو اپنی یاوہ گوئی اور ژاژہ خائی سے پست کر سکتا ہے؟ یقیناً وہ خود زمین کی پشت سے اتار کر زمین کی گہرائیوں میں پھینکا جائیگا۔ ''**یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھم واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون**''

نور حق ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھا یا نہ جائیگا

حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے ''**لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین**'' اب ہماری غیرت ایمانی کا تقاضا ہے کہ دشمن کو پہچانیں۔ ہمارا دشمن صرف ہمارے آقاؐ کا دشمن ہے۔

رہی ہے ستیزہ کار ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

اگر ہم آقائے مدنیؐ کا دامن چھوڑ دین تو وہ آج بھی ہمیں اپنے سینے سے لگانے کو تیار ہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"**ولن ترضیٰ عنك الیهود ولن النصاریٰ حتمیٰ تتبع ملتهم**" مگر ہمیں یہ منظور نہیں کیونکہ

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے میرا کامل ایماں ہو نہیں سکتا

توہین رسالت ﷺ کی سزا پاکستانی قانون میں

"فوجداری قانون ترمیمی ایکٹ نمبر 3 مجریہ 1986 کے بموجب:۔ جو کوئی عملاً، زبانی یا تحریری طور پر بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلا واسطہ۔ اشارتاً یا کنایتاً محمد ﷺ کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کرے وہ سزائے موت یا سزائے عمر قید کا مستوجب ہوگا اور اسے سزائے جرمانہ بھی دی جاسکتی ہے"۔

مذکورہ بالا قانون میں گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں عمر قید کی گنجائش بھی رکھی گئی تھی بعد کو فیڈرل شریعت کورٹ نے اس میں ترمیم کرکے 30 اکتوبر 1990 کو اس ایکٹ سے "عمر قید" کے الفاظ ختم کردیے۔ اب اس جرم کی سزا صرف سزائے موت ہے۔

تصوف کی خوشبو

(صاحبزادہ خورشید گیلانیؒ)

شیخ جامیؒ فرماتے ہیں:۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

حقیقت بھی یہی ہے کہ انسانی سیرت پر کردار و گفتار دونوں اثر انداز ہوتے ہیں، وہ بات تیر بن کر دل میں کھب جاتی ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو۔ گفتگو اگر حکمت سے لبریز مٹھاس سے معمور، دل دردمند کی ترجمان اور حسن بیان سے بھرپور ہو تو ایک ایک حرف اپنا اثر چھوڑتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی کردار سازی میں جہاں آنحضرت ﷺ کے جمالِ ایمان افروز کا اثر تھا، وہاں آپ ﷺ کے بیانِ فیض ترجمان کی تاثیر کا بھی خاصہ حصہ تھا، چھوٹی چھوٹی مگر حکمت و موعظت سے لبریز باتیں، تاثیر، کشش اور کیف میں رچے جملے اور معارف و حقائق کے خزینے، دامن میں لئے ہوئے مختصر اقوال بلاشبہ صحابہ کرامؓ کی سیرتوں پر بے پناہ اثرات مرتب کرتے تھے، اُن سے جہاں ایمان تازہ ہوتا وہاں عرفان کو بھی غذا ملتی ایک طرف اگر عقل کی گتھیاں سلجھ رہی ہوتیں تو دوسری جانب ذوق و وجدان کی پرورش بھی ہوتی رہتی، گفتار کی شیرینی اور بیان کی حلاوت حلقوم میں اترتی محسوس ہوتی اور دل کی دنیا جذب و شوق سے معمور ہو جاتی۔ جب ہم صوفیاء کرام کی مجالس و محافل کے بارے میں کچھ پڑھتے اور ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی محفل و مجلس ایسا چمنستان نظر آتی ہے جس میں ہر گل اپنا رنگ اور اپنی مہک رکھتا ہے جس کا رنگ آنکھوں کو سرور بخشتا اور خوشبو مشام جان کر معطر رکھتی ہے جب بزرگوں کی محفلیں عروج پر پہنچتیں تو دلکش مثالوں اور حکایتوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے عمیق ترین حقائق چٹکیوں میں حل ہوتے جاتے۔ محفل پر کبھی جذب و جنون طاری ہوتا کبھی عقل و خرد کی جلوہ آرائی کبھی ایمان و عرفان کی اور کبھی جنت کی شادابیوں کا ذکر اور کبھی جہنم کی وادیوں کا تذکرہ محفل میں رحمت و شفقتِ حق کا ذکر آتا تو چہرے تمتما اُٹھتے عذاب و عتاب کی بات چلتی تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔

احترام انسانیت کا موضوع چھڑتا تو موتی لٹتے۔ تعلیم آدمیت کا مسئلہ آتا تو دریا بہتے، خدا کے عدل پر لب کشائی ہوتی تو چیخیں نکل جاتیں، اس کے فضل پر زبان کھلتی تو باچھیں کھل جاتیں،

غیرت فقر کا مضمون نوک زبان ہوتا تو بوریا نشینوں اور خرقہ پوشوں کے سر میں سکندر کا دماغ آ جاتا خدمت خلق کی بحث نطق آشنا ہوتی تو پندار وناموس کے آبگینے چھناکے سے ٹوٹ جاتے مع اللہ کا تصور پیش ہوتا تو درمیان میں سے مخلوق نکل جاتی مع الخلق پر اظہار خیال ہوتا تو نفس غائب ہو جاتا۔

صوفیاء کرام کی باتیں ایجاز واختصار کا بہترین مرقع ہوتی تھیں۔ قطرے میں دریا اور ذرے میں صحرا کو انہوں نے سمو کر دکھایا۔ صوفیاء کرام کی مجلسوں میں اپنوں اور غیروں کی یکجائی کا عجیب سماں نظر آتا نہ کسی پر تنقید نہ کسی پر تعریض، گفتگو میں نہ مناظرانہ پن اور نہ کسی کی دلآزاری کا شائبہ بات وہی کہی جو ہر ایک کے دل کی تھی، دل سے نکلی دل پر بیٹھی، چلہ کھینچنے سے پہلے کھب گئی۔ کوئی ویران دل لے کر بیٹھا آباد دل لے کر اٹھا، خالی ہاتھ پہنچا، دامن بھر کر گیا، تھکا ماندہ آیا، ہشاش بشاش رخصت ہوا صوفیاء کی مجلس گویا صحرا کے پیادہ پا مسافروں کے لئے گھنے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں ہوتی تھی۔

صوفیاء کس دلنشین انداز میں لوگوں کی اصلاح وتربیت کرتے تھے۔ اُن کے پاس بیٹھنے والے کس قسم کے انسان بن کر نکلتے ہوں گے اور محافل، مجالس کیسی ایمان افروز ہوتی ہوں گی جہاں احترام انسانیت خوف خدا خدمت خلق محبت تقوی اخلاص عجز و نیاز ایثار توکل اور حسن اخلاق کے چرچے ہوتے تھے، ایسی ہی چند محافل کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

دہلی میں خانوادہ چشت کے ممتاز رہنما کا دربار سجا ہے بڑے چھوٹے ایک ہی مجلس میں برتری اور کمتری کے احساس سے بالا ہو کر بیٹھے ہیں ستاروں کے اس ہالے میں خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی چاند بن کر محفل آراء ہیں اور فرما رہے ہیں:

"ایک شخص نے خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی خدمت میں قینچی پیش کی فرمایا چھری نہ دو مجھے سوئی لا دو میں کاٹتا نہیں جوڑنے آیا ہوں۔

(فوائد الفوائد، ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۳۳۴ یہ ہے۔ "برائے وصل کردن آمدی" کی تفسیر "علم وعمل کے باہم لازم وملزوم ہونے اور ان کی اہمیت وضرورت کتنی ہے۔ اسے شیخ بہاؤالدین نقشبند نے کس خوبصورتی سے واضح کیا، مجلس کی ایک جھلک اور گفتگو کا ایک حصہ ملاحظہ کیجئے۔

"تو شمع کی طرح بن تو شمع کی طرح نہ بن شمع کی طرح بن بایں معنیٰ کہ دوسرے کو روشنی پہنچائے اور شمع کی طرح نہ بن بایں معنیٰ کہ تو خود تاریکی میں رہے۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از نور بخش توکلی ص 128)

توکل اور توکل کی روح کیا ہے؟ حضرت ابو بکر شبلیؒ فرماتے ہیں۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کثیر العیال ہونے کی شکایت کی۔ فرمایا ان افراد کو گھر سے نکال دو جن کا رزق اللہ کے ذمہ نہیں۔"

(رسالہ قشیریہ: امام ابو القاسم قشیری ترجمہ پیر محمد حسن)

عجیب و غریب افعال کے صدور اور خرق عادت واقعات کے ظہور ہی کو صرف کرامت سمجھا جاتا ہے اور اسے عام ذہن معیار ولایت قرار دیتے ہیں مگر اس الجھن کو شیخ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے بڑے حسن کارانہ انداز میں سلجھایا ہے لوگوں نے آپ سے کرامت طلب کی تو فرمایا:

"یہی کرامت کیا کم ہے کہ اتنے گناہوں کے باوجود ہم روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں۔"

صوفیاء کے ہاں "خود بینی" کے بجائے "خود شکنی" کا رواج زیادہ ہوتا ہے "ہیچو ما دیگرے نیست کی بہ نسبت ہیچ میرزی" کا چلن عام ہے اس ضمن میں خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کی مجلس کا ایک گوشہ پیش نظر رکھیے، آپ فرما رہے ہیں:

جسے دیکھو اسے اپنے سے بہتر سمجھو

اگر چہ تم اطاعت گزار ہو اور وہ گناہ گار ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری آخری اطاعت اور اس کا آخری گناہ ہو، تم گناہگار بن جاؤ اور وہ نیکوکار بن جائے۔" (فوائد الفوائد ص 165)

شعلہ و شبنم کی یکجائی آتش شوق اور باران اشک کی ہم آغوشی جیسی مجازی کیفیت کو روپ شیخ ابو بکر شبلیؒ نے کیسے دیا؟ ملفوظ ملاحظہ ہو:

"آپ مجلس میں صدر نشین تھے":

قریب ہی گیلی لکڑیاں جل رہی تھیں ایک طرف آگ تھی دوسرے سرے سے پانی رس رہا تھا۔ آپ حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا:

"اگر یہ بات سچ ہے کہ تمہارے دل آتش شوق میں جل رہے ہیں تو تمہاری آنکھوں میں آنسو رواں کیوں نہیں ہوتے؟" (تذکرہ مشائخ قادریہ محمد دین کلیم ص 87)

لوگ نہ جانے عقل و دولت کسے کہتے ہیں؟ اس کی کیا نشانی ہے؟ اس مسئلہ میں شیخ ابو علی محمد بن عبدالوہاب کا نقطہ نظر نصیحت آموز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی فرماتے ہیں:

اُف ہے دنیا کے کاموں پر جب وہ اُمڈ کر آ جائیں اور اُف ہے دنیا کی حسرتوں پر جب وہ جاتی رہیں، عقلمند ایسی چیزوں پر ہرگز توجہ نہیں دیتا کہ آئے تو مشغولیت کا سبب ہو اور جائے تو حسرت کا"(رسالہ قشیریہ)

غیبت زنا سے سخت، مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ گلہ اخلاق پستی کی انتہا لیکن یہ سب کچھ بدگوئی میں شامل ہے مگر بدخواہی شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:۔

"برا کہنا برا ہے مگر برا چاہنا اس سے بھی بدتر ہے"۔(فوائد الفوائد)

"اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرو۔"

یہ قرآن مجید کا حکم ہے۔ کتنا خرچ کرو؟ حدیث رسول ﷺ نے شرح مقرر کر دی ہے صدقات نافلہ، اُن کی صرف ترغیب بنتی ہے مگر اس اہم ترین مسئلہ کو جس نے پوری دنیا کا سکون تلپٹ اور دماغ چاٹ رکھا ہے صوفیاء کرام کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ حضرت ابوبکر شبلیؒ کا رنگ ملاحظہ ہو پوچھنے والے نے پوچھا:

"زکوٰۃ کب واجب ہے؟ فرمایا

مذہب کی فقہ کی رو سے یا مذہب فقراء کی نظر میں؟ سائل نے کہا دونوں طرح سے ارشاد فرمایئے۔ جواب ملا فقہا کا مذہب یہ ہے کہ سال گزر نے پر سو درہم میں ڈھائی روپے نکال دو اور فقرا کے مذہب میں یہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت ہو سب خدا کی راہ میں لُٹا دو۔"

(مکتوبات سعدی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ص 350)

انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے مل جل کر رہتا اور لو اور دو کے اصول پر عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے کچھ فرائض ہیں اور کچھ حقوق انسانوں کی بستی میں مفادات ٹکراتے بھی ہیں اور جھگڑے بھی پیدا ہوتے ہیں مگر صوفیاء کرام انسان کو زندگی گزارنے کا کیا ڈھنگ سکھاتے ہیں؟ تجارتی بنیادوں پر زندگی؟ کچھ لو اور کچھ دو کے اصولوں پر زندگی؟ تحفظ خویش کے نظریہ کی زندگی؟ انہیں یوں نہیں بلکہ صوفیاء کرام ترک و ایثار اور مروت و اخوت سے معمور زندگی کا درس دیتے ہیں۔ "بھلا کر بھلا ہوگا" کے بجائے "سب کا بھلا" ان کا نعرہ مستانہ ہوتا ہے۔ " دوستوں سے گلہ۔

ان کا شیوہ نہیں اور ''شکایت زمانہ'' ان کا شعار نہیں جنید بغدادیؒ اس نظریے کی یوں ترجمانی فرماتے ہیں:

''کوئی شخص اس وقت تک عارف نہیں کہلا سکتا جب تک وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے کہ نیک و بد اسے روندتے ہیں اور بادل کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز پر سایہ کرتا ہے اور سورج کی طرح نہ ہو جائے جو ہر ذرے کو روشن کرتا ہے اور بارش کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے۔'' (رسالہ قشیریہ)

تصوف کا دستور اور اہل تصوف کا شروع سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ہر کام میں مقصدیت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسا علم محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہے جو عمل سے خالی ہے۔ وہ الفاظ و حروف کے رٹنے کو صرف دماغ سوزی قرار دیتے ہیں، عمل کے لئے تو علم ضروری ہوتا ہی ہے مگر علم کے لئے عمل اس سے بھی زیادہ ضروری ہے ورنہ علم بے معنی خیالات کا ناٹک اور افکار کی شعبدہ بازی بن جاتا ہے اسی نظریے کو ایک مرد حق آگاہ نے یوں واضح فرمایا:

خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی نے مکارم اخلاق کے بارہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: شیخ ابوالخیر اور بوعلی سینا کی ملاقات ہوئی۔ رخصت ہونے سے قبل بوعلی سینا نے ایک صوفی سے جو حضرت شیخ کے ملازموں میں سے تھا یہ فرمائش کی کہ جب میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں تو پھر وہ جو کچھ میرے بارے میں کہیں تم مجھے لکھ بھیجنا، بوعلی سینا چلے گئے مگر حضرت شیخ نے ان کا کوئی ذکر نہ کیا، ان کے بارے میں اچھی یا بری کسی قسم کی رائے کا اظہار نہ فرمایا چنانچہ ایک روز اس صوفی نے پوچھ ہی لیا کہ بوعلی سینا کیسا آدمی ہے؟ حضرت شیخ نے جواب دیا وہ ایک فلیسوف شخص ہے طبیب ہے بڑا عالم بھی ہے البتہ مکارم اخلاق کا مالک نہیں (مکارم اخلاق ندارد) اس صوفی نے یہ بات بوعلی سینا کو لکھ بھیجی۔ بوعلی سینا نے حضرت شیخ کی خدمت میں کچھ تحریر کیا، جس میں یہ بھی مذکور تھا کہ میں نے اتنی کتابیں مکارم اخلاق کے بارہ میں لکھی ہیں پھر حضرت شیخ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں مکارم اخلاق کا مالک نہیں۔ حضرت شیخ نے تبسم فرمایا اور گویا ہوئے میں نے تو یہ نہیں کہا کہ بوعلی سینا مکارم اخلاق جانتا نہیں (من گفتہ ام کہ بوعلی مکارم اخلاق نداند) میں نے تو یہ کہا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کا مالک نہیں (مکارم اخلاق ندارد) (فوائد الفوائد ص 361)

مسلمانوں کی پستی کے اسباب اور اس کا علاج

(عبدالرشید ساہی)

مسلمانوں کی پستی کا سب سے بڑا سبب اللہ کو فراموش کرنا ہے احکام خداوندی سے پہلوتہی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں بڑے واضح اور واشگاف انداز میں یہ بات اعلان فرمادی ہے کہ ''جو کوئی مجھے فراموش کرے گا اس کی نقد سزا تو یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اس پر تنگ کردی جائے گی اور قیامت کی سزاؤں میں پہلی سزا یہ ہوگی کہ روز محشر جب وہ اٹھے گا تو اندھا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے وہ اللہ سے پوچھے گا اے اللہ میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا مجھے اندھا کیوں کردیا گیا اللہ کریم فرمائیں گے دنیا میں تمہارے پاس میرے احکام آئے تھے تو نے ان کو ٹھکرادیا فراموش کردیا آج میں نے بھی تجھ کو اپنی رحمت سے محروم کردیا۔ آج زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مسلمانوں پر تنگ کیوں ہے۔ سارے وسائل ہونے کے باوجود عرصہ حیات مسلمانوں پر تنگ کیوں ہورہا ہے، دنیاوی اسباب کی کثرت کے باوجود بدحالی،، پریشانی اور ذلت سے مسلمان کیوں دوچار ہے۔ آؤ تھوڑا سا مراقبہ کر کے دیکھا جائے تو ہر کسی کو معلوم ہوجائے گا کہ واقعی ہم نے اپنے پیدا کرنے والے کو کتنا فراموش کیا ہوا ہے۔ جس خدا نے اس کائنات رنگ و بو میں ہمیں وجود بخشا ہے اس محسنِ عظیم کے ساتھ ہماری کتنی وفاداری ہے ہم اس کے احسان کا کتنا شکر بجالاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے دن میں پانچ مرتبہ نماز فرض کی ہے جو احکام خداوندی میں سے اہم ترین حکم الٰہی ہے قرآن حکیم میں جس کے متعلق ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ کریم نے تاکید کے ساتھ جس کو قائم کرنے اور ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

نبی مکرم رسولِ محتشم ﷺ نے جسے اسلام کا ستون قرار دیا ہے جسے بندہ مومن اور کافر کے درمیان نشانِ امتیاز قرار دیا ہے ایسا حکم جو کسی حال میں بھی معاف نہیں اگر کھڑے ہو کر نہیں تو بیٹھ کر پڑھو بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو اشارہ سے پڑھ لو۔ سفر میں یا حضر میں، حالت امن ہو یا حالت جنگ عین لڑائی کے وقت بھی اگر وقت نماز آگیا تو ارشاد ربانی یہی ہے کہ نماز اس حالت میں بھی پڑھیں نماز کسی حالت میں بھی معاف نہیں اتنی بات ضرور ہے کہ سفر اور جنگ کے موقع پر اللہ نے کریمی کا معاملہ فرماتے ہوئے اس میں رعایت ضرور دے دی ہے لیکن بالکل معاف نہیں فرمایا ایسے مہتمم بالشان حکم کے بارے میں آج مسلمانوں کا رویہ انتہائی افسوسناک ہے مسلمانوں میں سے پانچ

فیصد بھی پورے نمازی نہیں امت کا تقریباً پچانوے فیصد طبقہ نماز جیسے انتہائی اہم ترین حکم کا عملاً منکر ہے وہ حکم جس سے اللہ کی رحمت اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتی ہے آج مسلمانوں نے اس عمل کو ترک کر کے رحمت اور نور کے سارے دروازے اپنے اوپر بند کیے ہوئے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فتح ایک غزوہ میں 21 دن رکی رہی اتنے دنوں تک محاصرہ کی اذیت میں مبتلا رہے لیکن جب محاسبہ کیا گیا کہ آخر کیوں تائید الٰہی کا حصول نہیں ہو رہا۔ خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق ؓ کو اس مسئلہ سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے لکھ کر سپہ سالار کو بھیجا کہ معلوم کرو کہ نبی مکرم ﷺ کی کسی سنت سے تو غفلت نہیں ہو رہی تو معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ جنگی مصروفیات کی وجہ سے ایک مسواک کی سنت پر عمل نہیں ہو سکا۔ جس کی وجہ سے فتح کا تسلسل رک گیا ہے چنانچہ امیر لشکر کے حکم جب اس مبارک سنت کو زندہ کیا گیا تو رکی ہوئی فتح کو اللہ تعالیٰ نے یوں مکمل فرمایا کہ بغیر لڑائی کے وہ قلعہ فتح ہو گیا۔ ایک سنت کے ترک پر اگر اللہ کی مدد رک سکتی ہے اور رکی تو پھر ہمارا کیا حال ہوگا یہاں سنتیں تو کجا فرائض کا ترک تھوک کے حساب سے ہو رہا ہے فرائض میں سے بھی اہم ترین فرض نماز جس پر آج امت مسلمہ کا ایک بڑا حصہ عمل کرتا دکھائی نہیں دے رہا اور جو بظاہر نماز پڑھتے ہیں ان میں سے بھی اکثریت ایسی ہے جن کے متعلق حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ہمارے قلوب کی اصلاح فرمادیں اور اسلام کو ہمارے قلوب میں داخل فرمادیں آمین:۔

آپ کسی بھی قریہ، بستی، شہر یا محلّہ کی مسجد میں چلے جائیں آبادی کے لحاظ سے نمازیوں کا بہت ہی کم تناسب آپ کو نظر آئے گا بہت کم لوگ آپ کو مسجد آباد کرتے نظر آئیں گے اکثریت عین نماز کے وقت بھی مسجد کے بالکل سامنے سے ایسی بے رخی سے گزر جاتے ہیں گویا کہ ان پر نماز فرض نہیں ہوئی یا خدانخواستہ یہ مسلمان ہی نہیں جب نماز فرض ہوتی تھی تو صحابہ کرامؓ پھولے نہیں سماتے تھے کہ دن میں پانچ مرتبہ اللہ رب العزت سے شرف ہمکلامی نصیب ہونے کی سعادت ہمارے مقدر میں آ گئی لیکن اللہ معاف فرمائے آج ہم نماز کو اپنے اوپر بوجھ تصور کرتے

ہیں اور تعجب ہے کہ نماز کے لئے یہ بھی عذر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس وقت نہیں بڑے شرم اور غیرت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو وقت فراہم کیا اور پھر ہم اس ذات کے لئے ہی چند منٹ نہیں دے سکتے اور پھر اس ذات نے حساب کتاب بھی فراہم کردہ وقت کا ہی لینا ہے انسان سے روز محشر یہی پوچھا جائے گا کہ تمہیں اتنی مہلت دی گئی اتنا وقت فراہم کیا گیا تم نے اس کا تصرف کیسا کیا وہاں سوائے شرمساری کے کیا بن پڑے گا۔

پیارے بھائیوں: ابھی ہمیں سابقہ گناہوں پر توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لینا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنی اپنی زندگی کو اللہ اور رسول اللہ کے حکموں کے مطابق بسر کریں ورنہ علامہ یہ کہنے پر حق بجانب ہوگا۔

یہی انسان ہے بحرو بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں
یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا

عہد نبوی ﷺ کی سیاستکاری کے اصول

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

3 ایک شخص جس کو وطن میں جان کے لالے پڑے ہوں، صرف ایک رفیق کے ساتھ غاروں میں چھپتا، نامانوس اور دشوار گزار راستوں پر چلتا، سینکڑوں میل دور جا پناہ گزیں ہوا ہو، وہ دس ہی سال بعد جب انتقال کرتا ہے تو دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کے علاقے کا حکمران ہو چکا تھا۔ پھر اس علاقے میں جہاں اس سے پہلے کبھی سیاسی مرکزیت آئی ہی نہ ہو، اور ملک قبائلی سطح تمدن سے بلند نہ ہو سکا، اس نراج میں ایک راج قائم کرے اور بغیر کسی نمونے کے سامنے رکھے۔ ایک باقاعدہ مملکت کی ضرورت کی ہر چیز رائج کرے، اور ایک ایسی حکومت قائم کرے جس کا آغاز ایک شہر کے چند محلوں سے ہو اور جو (27) ہی سال میں دنیا کی دو عظیم ترین شہنشاہوں سے وقتِ واحد میں لڑ کر اور بیسیوں دیگر سلطنتوں کو شکست دے کر ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں پر پھیل جائے۔

اس سیاست کا مطالعہ صرف ایک عظمت ماضیہ کا مطالعہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی شخصیت کے کارناموں کا مطالعہ ہے جس کے ہر قول و فعل کو اب بھی دنیا کی چوتھائی آبادی اپنا قانون اور اپنے لئے اسوۂ حسنہ سمجھتی ہے، اگرچہ انسانوں کا یہ گروہ دنیا کی چوتھائی آبادی پر مشتمل ہے۔ لیکن ایک تو یہ "مشارق الارض" سے "مغارب الارض" تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرے پرانی دنیا کی اکثر اہم شاہراہوں پر سیاستہً نہیں تو سکونتہً قابض ہے۔ تیسرے زیادہ تر جنگی نسلوں پر مشتمل ہے۔ چوتھے عظیم الشان اور قابل رشک تاریخ رکھتا ہے جس کے پچھلے کارہائے نمایاں ہمیشہ امکانات کے خوش آیند ارادے اور ولولے پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے، پانچویں یک نسلی نہ رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ اس کا کوئی نہ کوئی جز "میقاتی انحطاط" کو ختم کر کے نئی زندگی کا ثبوت دیتا رہتا ہے، چھٹے ابھی تک اس کا پھیلاؤ رکا نہیں اور انتہائی ناسازگار مقاموں میں بھی زبردست ترین اور منظم حریفوں کو شکست دے رہا ہے۔ اور اس کے پرانے چودہ سو برس پہلے کے قاعدے متمدن ممالک میں بھی ضروریاتِ حاضرہ کے مطابق خیال کئے جا رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

عہدِ نبوی کی سیاست خارجہ کے اصول دو حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ بعض ایسے تھے جو عام اور ہمہ گیر تھے۔ اور ہر حال میں اور ہر کسی کے ساتھ ملحوظ رہتے تھے۔ اور بعض ہر انفرادی

وحدت کے ساتھ بدلے ہوئے تھے۔ اور یہ ناگزیر بھی تھا کہ:۔

1۔ اپنے ظالم وطن مکہ۔

2۔ عرب کے غیر عربی عناصر خاص کر یہودی قبائل۔

3۔ خانہ بدوش عرب قبائل۔

4۔ عرب کے حضری زندگی رکھنے والے شہر یا شہری مملکتیں مثلاً طائف۔

5۔ عرب میں بیرونی دخل انداز یعنی ایرانی اور رومی صوبے، محفوظات، نوآبادیاں وغیرہ۔

6۔ عرب کے ہمسایہ ملک۔

وغیرہ وغیرہ میں سے ہر ایک کے ساتھ آنحضرت صلعم کی ''سیاست کاری'' خصوصی مسائل سے دوچار ہوا اور ان کو حل کرنے کے لئے وہ ہر جگہ الگ اور بدلی ہوئی رہے۔ سطور ذیل میں آنحضرت صلعم کی شہر مکہ سے برتاؤ کی سیاست پر بحث کی جائے گی۔

مکہ کی اہمیت:

شہر مکہ کا قدیم جغرافیہ نگاروں کے الفاظ میں ''نافِ زمین'' پر ہونا چاہے اسلام کی عالمگیر توسیع میں کتنا ہی مدومعاون رہا ہو، لیکن یہاں زمانہ ہائے مابعد سے ہمیں کوئی بحث نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں اس کو کیا اہمیت حاصل تھی۔ ہمیں ان مشری پادریوں کا لحاظ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جو مصلحتہً مکہ اور مکے والوں کو کوئی اہمیت دینا نہیں چاہتے۔ اسی طرح ان روحانی عظمتوں یا دیگر لاحاصل قصوں سے بھی یہاں سروکار نہیں جو کرۂ ارض کے بننے میں مکے کے حصے وغیرہ سے متعلق ہیں۔

شہر مکہ میں جو عرب بستے تھے وہ قریش کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کے تجارتی تعلقات کی اہمیت کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں جزیرہ نمائے عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی اور ہر قبیلہ اپنے رہنے سہنے کے جنگلوں پہاڑوں میں انتہائی خودمختاری برتتا تھا، اور اس کے علاقے سے گزرنے کے لئے زمانہ حال کے پاسپورٹوں سے بھی زیادہ دشواریاں تھیں، اس لئے کاروانوں کے سفر کرنے اور بین الممالک تجارت کے عرب سے گزرنے کے لئے خفاروں اور بدرقوں کا ایک وسیع اور ترقی یافتہ نظام وجود میں آ گیا تھا۔ اس نظام نے عرب میں سیاسی تو نہیں لیکن ایک معاشی وفاق ضرور قائم کر دیا تھا۔ اس وفاق میں قریش کے

موقف کا اندازہ مشہور مؤرخ محمد بن حبیب (فوت ۲۴۵ھ) کے اس بیان سے ہوسکتا ہے:۔

''ہر تاجر جو یمن یا حجاز سے وہاں (دومۃ الجندل جو عرب کے شمال میں ہے) جانا چاہتا ہے تو جب تک قبائل مُضر کے علاقے سے گزرنا ہو، قریشی خفارے کی خدمات حاصل کرتا کیونکہ نہ تو کوئی مضری اور مضریوں کا کوئی حلیف قریشی خفارے کو تکلیف دیتا۔ چنانچہ قبائل کلب بنی الجشم سے حلیفی کے باعث اور قبائل طے (بنی اسد سے حلیفی کے باعث) قریشیوں کو نہیں چھیڑتے تھے ۔قبائل ربیعہ کے پورے علاقے میں تاجر اپنے لئے بنی عمرو بن مرثد کا خفارہ حاصل کرتے تھے ۔۔۔۔۔بحرین کے صدر مقام المشقر کو جانے کے لئے بھی قریشی خفارہ لیا جاتا تھا۔۔۔۔۔ جنوبی عرب میں مہرہ جانے کے لئے بنی محارب کا خفارہ لیا جاتا تھا۔۔۔۔۔ حضرموت کے سُوق رابیہ جانے کے لئے قریشی کاروان بنی آکل المرا کی خدمات حاصل کرتے تھے۔۔۔۔۔ جس کے باعث آکل المرار جلد اپنے حریفوں پر غالب ہوگیا۔۔۔۔۔ عکاظ عرب کا سب سے بڑا سالانہ میلہ تھا جس میں تمام عرب کے قبائل سامان لاتے تھے ۔مثلاً قریش، ہوازن، غطفان، عضل، ویش، حیاء، مصطلق، احابیش وغیرہ۔

اس کے سوا زمانہ جاہلیت میں قریش اپنے حج کے سلسلے میں مکے کے مضافات میں منا میں جمع ہوتے تھے ۳ق ھ میں بیعت عقبہ کے سلسلے میں مورخین نے ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ سے ملنے سے پہلے آنحضرت صلعم پندرہ قبائل کے پڑاؤں میں تبلیغ کے لئے گئے تھے ۔ان میں سے کندہ عرب کے انتہائی جنوب میں رہتے تھے ۔کلب انتہائی شمال میں دُومۃ الجندل میں بستے تھے ۔بنی حنیفہ بحرین کے پاس اُنتہائی مشرق میں آباد تھے، اور یہ ہر سال ہوتا تھا۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو ۹ھ تاریخ اسلام میں ''عام الوفود'' (سفارتوں کے سال) کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ عرب کے ہر حصے سے مدینے میں سفارتیں ٹوٹ پڑیں اور فاتح مکہ کے مذہب اور فاتح مکہ کی حکومت کو ماننے کا اعلان کرتی گئیں ۔اور یہ سفارتیں بھی عرب کے ہر حصے سے آئی تھیں۔

کہ اوپر عرض ہوا، سیاستِ نبوی ﷺ کے چند اصول عام اور ہمہ گیر تھے پہلے انھیں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے ۔یہ مکے سے مقابلہ کرنے میں بھی اتنے ہی ملحوظ رہے جتنے دیگر سیاسی وحدتوں کے سلسلے میں ۔چنانچہ:۔

۱۔ تبلیغ رسالت

سب سے پہلا اصول جو ہر حالت میں پیش نظر رہا وہ یہ تھا کہ جس مشن اور مقصد کو لے کر آپ آئے تھے اُس کی اشاعت ہو۔ اس غرض کے لئے ذاتی یا مالی منفعت اور خواہش انتقام کو نظر انداز کرنا بھی گوارا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت صلعم نے شہر مکہ کو بلا شرط اور بزور فتح کر لیا تو یہ بہت آسان تھا کہ اس مالدار شہر کو آپ لوٹ لیتے اور مہاجرین کی مقبوضہ جائدادوں اور دیگر جسمانی اور مالی نقصانوں کا بدلہ لیتے۔

ابوسفیان گرفتار ہو کر ہاتھ آئے تو کچھ نہیں تو ان سے چند ہزار کا فدیہ ہی طلب کرتے۔ قریش کی پیشکش پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج توڑ کر لا رکھو تو بھی تبلیغ دین سے باز نہیں آسکتا۔

۲۔ اندرونی استحکام

کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو، اکثر حقیر اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تاریخ عالم اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں اس اصول مسلمہ کا بیان مقصود نہیں ہے، بلکہ یہ دکھانا ہے کہ ناگزیر باہمی اختلافات کو کس طرح روکا یا دور کیا جاتا تھا۔ اور کس طرح اختلافات کو مٹانے سے اپنی قوت میں اضافہ ہوتا تھا۔

جس وقت آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آگئے ہیں تو مسلمانان مدینہ اوس اور خزرج کے دو رقیب اور خون کے پیاسے گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اور ابھی بُعاث کی معرکہ آرائی کا خون بھی خشک نہیں ہوا تھا۔ ان دونوں متصادم قوتوں کی سرداری کوئی قابل رشک حالت نہیں کہی جاسکتی۔ جس طرح آج اسلامی مبلّغین کو ممالک متحدہ امریکہ میں ایک حل نہ ہونے والی گتھی سے سابقہ ہے کہ وہاں حبشیوں میں تبلیغ کرو تو وہ کہتے ہیں آمنا۔ لیکن آپ گوروں کی، لچنگ پر اترانے والی ننگ انسانیت، قوم کو اسلام کے برکات سے ہرگز متمتع نہ ہونے دیجئے، اور گورے نومسلم نہیں چاہتے کہ حبشی بھی مسلمان ہو کر ان سے سماجی مساوات حاصل کر لیں۔

عرب کے خانہ بدوش بدّو آج بھی اپنے حضری اور بستیوں میں رہنے والے بھائیوں کو سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ عہد نبوی ؐ میں تو حضری آبادی آج سے بھی کم تھی۔ فوجی مہموں میں بدوی رضا کاروں کا ضبط جیسی صبر آزما چیز ہوگی محتاج بیان نہیں۔

سب سے مقدم یہ کہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہاں ایک نراج تھا۔ ایک شہری مملکت تک نہیں پائی جاتی تھی۔ چند مدنی عرب قبائل مسلمان ہو گئے تھے، اور چند میں ابھی تک اسلام پوری طرح نہیں پھیلا تھا۔ ان کے ساتھ ہمسائے میں ہزاروں کی تعداد میں یہودی رہتے تھے جو زراعت، تجارت، صنعت۔ غرض جملہ معاشی زندگی پر حاوی تھے۔ ان میں بھی آپس میں خونریز اور اَنمٹ رقابتیں تھیں۔ اور اُن کا اپنا ایک مذہب اور تمدن تھا، اور ان کے اسلام قبول کرنے کی اتنی بھی توقع نہ تھی جتنی لا مذہب بدوؤں کی۔ ان سب کے ساتھ سینکڑوں مہاجرین تھے جو مکے کے بیسیوں قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان تمام عناصر میں ایک وفاقی وحدت پیدا کرنا اور مدینے میں ایک شہری مملکت قائم کر کے اس کا ایک دستور مرتب کرنا اور اس کے ذریعے سے راعی و رعایا کے حقوق و فرائض کا تعین کرنا اور پھر ان تمام متصادم اور ضائع ہونے والی توانائیوں کو ایک مرکز پر لا کر ان سے مفید کام لینا، یہ ابتداءً سیاست خارجہ ہی کے مسائل تھے، اور طے ہو چکنے کے بعد اندرونی مسائل بن گئے۔

مدینے کی حفاظت کے لئے علاوہ اندرونی استحکام کے اس کی ضرورت تھی کہ آس پاس کے قبائل سے دوستی کی جائے۔ چنانچہ ہجرت کے چند مہینے بعد ہی آنحضرت ﷺ مدینے کے جنوب مغربی اور ساحل سے متصل علاقے کا بار بار دورہ شروع کرتے ہیں۔ اور ینبوع وغیرہ میں رہنے والے قبائل سے حلیفی کرتے ہیں کہ ان پر کوئی حملہ کرے تو مسلمان ان کو مدد دیں گے۔ اور مسلمانوں پر کوئی حملہ کرے تو یہ مدد کو آئیں گے۔ بعض معاہدات میں آنحضرت ﷺ کے دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے کی شرط منظور کی گئی تھی۔ بعض میں اتنی پابندی بھی نہ تھی اور قبیلہ غیر جانبدار رہنے پر آمادہ ہوا تھا۔ بعض میں مسلمانوں کی دینی لڑائیوں میں ان قبائل کو مدد دینے کی پابندی سے مستثنیٰ کیا گیا تھا۔ بہر حال مدینے کے چاروں طرف دوستوں میں اضافہ اور مخالفوں میں کمی کی مسلسل کوشش جاری رہی۔ (تفصیلات کیلئے میری ''الوثائق السیاسیہ اور فرانسیسی کتاب ''اسلامی سیاست خارجہ عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں'' ملاحظہ ہوں)۔

ایک اور اصول یہ قرار دیا گیا تھا کہ عرب میں جو شخص یا خاندان یا قبیلہ مسلمان ہو، وہ ہجرت کر کے مدینہ یا مضافات میں آ بسے۔ یہ سیاست فتح مکہ تک باقی رہی (**لا ھجرۃ بعد الفتح** مشہور حدیث اسی سیاست کے اختتام کا اعلان تھی) اور بہت کم اس سے استثناء منظور کیا

جاتا تھا۔ اس سیاست کا نتیجہ دو گونہ تھا۔ مسلمان فوج کے لئے مخلص رضا کاروں میں روز افزوں اضافہ اور ان نو مسلموں میں اسلام کی گہرائی۔

۳۔ انسانی خون کی عزت

عہد نبویؐ میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ فتح ہوا۔ جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی۔ اس طرح روزانہ تقریباً (۲۷۴) مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ ان فتوحات میں دشمن کے ماہانہ دو سے بھی کم آدمی قتل ہوئے۔ اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے۔

انا نبی الرحمة انا نبی الملحمه (صحیح مسلم)

''میں رحمت کا پیغمبر ہوں' میں جنگ کا پیغمبر ہوں''۔

اس کا اس سے بہتر ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ دشمن کے ستر آدمیوں کا مارا جانا (جنگ بدر میں) سب سے بڑی تعداد ہے۔ یاد رہے کہ یہ عہد نبوی کی سب سے پہلی جنگ تھی۔

۴۔ فنون حرب کی ترقی واستفادہ

دشمن کو بے بس کر دینے اور ساتھ ہی خونریزی کو کم ترین حد تک گھٹا دینے کے لئے ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ فنون حرب میں اتنا کمال حاصل کیا جائے کہ حریف مقابلہ ہی نہ کر سکے۔ اس غرض کے لئے ہر اچھی چیز چاہے کسی ملک کی ہو، اختیار کی گئی۔

عربوں میں صف بندی کا رواج نہ تھا۔ جوش کا بے وقت اور بے محل استعمال اور اسلحہ کا بیکار خرچ بھی عام چیز تھی۔ جنگ بدر ہی سے آنحضرت ﷺ نے اپنے سپاہیوں میں صف بندی شروع کر دی تھی اور معاینے میں جو آگے پیچھے نظر آتا تھا اُسے درست کیا جاتا تھا (حوالہ ابن ہشام)۔ فتح مکہ کے وقت تو صف آرائی ایک مخصوص افسر کے سپرد ہو گئی تھی جو وازع کہلاتا تھا (حوالہ طبری)۔ ہر فوج کا مہم پر روانگی سے پہلے شہر کے باہر معائنہ (عرض) ہوتا تھا، اور کم عمر رضا کار یا سواری یا اسلحہ نہ رکھنے والے یا اور طور پر نا مناسب افراد (مثلاً مشرکین، یہودی وغیرہ) واپس کر دئے جاتے تھے۔ (حوالہ ابن سعد، ابن ہشام، طبری وغیرہ)۔ جنگ بدر میں صف آرائی کے بعد جو جامع ہدایات دی گئی تھیں، وہ یہ تھیں کہ ''جب تک میں حکم نہ دوں۔ کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ دشمن دور ہو تو تیر چلا کر بے کار ضائع نہ کرے بلکہ زد پر آئے تو مارے۔ اس سے قریب

آئے تو پتھر پھینک کر مارے۔ اس سے بھی قریب آئے تو نیزہ اور پھر تلوار چلائے"۔ وردی کی غیر موجودگی میں اور دشمن کی ضرورتوں کے لئے سپاہیوں کے لئے شعار (واچ ورڈ) مقرر کئے گئے تھے۔ اور ہر دو بدو مقابلے کے وقت سپاہی اسے دہراتا اور حریف وہ لفظ نہ دہراتا تو اطمینان ہو جاتا کہ وہ رفیق نہیں ہے بلکہ دشمن (حوالہ ایضا)۔ خندق کے ذریعے سے محصور شہر کی مدافعت اسی اصول کی ایک دوسری مثال ہے۔ چنانچہ جنگ خندق میں شہر مدینہ پر دشمن کو حملہ آور ہونے سے اسی کے ذریعے سے روک کرنا کام واپس کیا گیا۔

خیبر کی لڑائی میں منجنیق سے دشمن نے محصور قلعے پر سے پتھر برسائے تھے۔ مسلمانوں نے فوراً اس سے سبق لیا، اور ایک ہی سال بعد آنحضرت ﷺ نے طائف کے محاصرے میں منجنیق بھی اور مزید برآں دبابے بھی استعمال کئے تھے۔ (دبابے ترقی پا کر زمانہ حال میں خود بخود حرکت کرنے والی ٹینک کی صورت میں نظر آتے ہیں)۔

دبابہ ایک پہیے والی گاڑی ہوتی ہے جس کے اوپر بیل کا یا کوئی اور موٹا چمڑا منڈھ دیا جاتا تھا تا کہ تیروں سے اندر رہنے والے آدمیوں کو صدمہ نہ پہنچایا جا سکے، فصیلوں کو کھودنے اور مماثل کام کرنے کے لئے اسے کام میں لایا جاتا تھا۔ طائف میں منجنیق کے علاوہ عرادا بھی برتا گیا تھا جو منجنیق ہی کی طرح پتھر دور پھینکتا تھا۔

فوجوں کی مشقیں، گھوڑوں، اونٹوں، گدھوں وغیرہ کی دوڑ، تیر اندازی کے مقابلے اور فوجی اسپورٹ وغیرہ ایک مستقل مضمون کے محتاج ہیں، نمازوں کے ذریعے سے صف بندی، روزے کے ذریعے سے ہر موسم میں سپاہیوں کو بھوک پیاس کی مشق، حج کے ذریعے سے عرفات وغیرہ کے بے آب و گیاہ علاقوں میں کوچ اور قیام کی عادت وغیرہ ان کے علاوہ ہیں۔ سرکاری اصطبلوں، محفوظ چراگاہوں اور اسلحہ خانوں کا قیام بھی اسی سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ (جاری)

دفاعِ پاکستان کی اهمیت

(کیپٹن فضل ربی)

آزادی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور غلامی اس کی سزاؤں میں سے ایک بڑی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو آزادی کی نعمت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صرف اپنی بندگی کیلئے پیدا کیا نہ کہ کسی مخلوق کی بندگی کیلئے۔ اسی لئے دنیا کے اندر رائج شدہ آقا اور غلام کے تصور کو دین اسلام نے بتدریج ختم کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جزا اور سزا (REWARD & PUNISHMENT) کے اصول مقرر کر رکھے ہیں۔ ان اصولوں کے مطابق ہی وہ نعمتیں بھی عطا کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ قرآن انہی اصولوں کو سنت الٰہی سے تعبیر کرتا ہے۔ اِن اصولوں میں نہ تو کسی تبدیلی کی گنجائش ہے اور نہ ہی ترمیم کی۔

ارشاد ربانی ہے۔

فَلَنۡ تجدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبدِيلًا (43-35)

سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بشمول آزادی اِن اقوام کو عطا کرتا ہے جو ان کی طلب رکھتی ہوں، قدر کرنا جانتی ہوں اور جو اس کی حفاظت کی اہل ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمۡ يَكُ مُغَيِّرًا نِعۡمَةً اَنۡعَمَهَا عَلٰى قَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ۔ (8-53)

یہ اللہ کی سنت کے مطابق ہے کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ۔ (13-11)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

جو افراد یا قوم آزادی کی طلب، قدر اور حفاظت سے عاری ہو جائیں۔ تو یہ نعمت بہت جلدی ان سے چھین لی جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ

عَذَابِی لَشَدِیْدٌ (7-14)

اور تمہارے رب نے خبردار کیا تھا کہ اگر تم شکر گزار ہو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔

نظریہ پاکستان

حضرت عمرؓ کے عہد (۱۲۔۲۴ ہجری) سے جنوبی ایشیاء میں عربوں کا آنا جانا شروع ہوا۔ اسی دور میں حضرت عثمان بن عاص ثقفی کی سرکردگی میں ہندوپاک کے مغربی ساحل پر بمبئی کے قریب فوج کشی ہوئی۔ اسی طرح مغیرہ بن عاص کی سرکردگی میں مسلمانوں نے اسی دور میں بحرین سے بھڑوچ پر حملہ کیا اور دیبل (واقع سندھ) کے مقام پر لڑائی میں مسلمانوں کو ناکامی ہوئی۔ آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں اسی علاقے میں بحری قزاقوں نے مسلمان قافلے کو لوٹا اور کچھ مسلمانوں کو گرفتار بھی کر لیا۔ ایک مسلم خاتون کی فریاد پر حجاج بن یوسف نے والی سندھ راجہ داہر کے پاس سفارت بھیجی تا کہ وہ مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے۔ مگر راجہ داہر نے تعاون نہ کیا جس کے نتیجہ میں حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو ۷۱۲ عیسوی میں راجہ داہر سے مقابلے کیلئے بھیجا جس نے دیبل، ایلور اور ملتان تک کا علاقہ فتح کیا اور تقریباً چار ہزار عربوں کو اس علاقے میں آباد کیا۔ ان عرب مسلمانوں کی خوبیوں کو دیکھ کر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے۔

اس علاقے میں انتالیس سال تک بنو اُمیہ کی خلافت رہی۔ بنو عباس ایک صدی تک سندھ پر حکومت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا اثر کم ہوتا رہا اور یہ۔۔۔۔۔؟

علاقہ فاطمین مصر کے زیر اثر آ گیا، نیز اکثر علاقے خود مختار راجوں اور مہاراجوں کے قبضہ میں آ گئے والیانِ غزنی سبکتگین اور محمود غزنوی (۹۹۷ تا ۱۰۳۰ عیسوی) نے ہندوستان پر قابض راجوں اور مہاراجوں پر حملے کیے اور پورے ہندوستان پر حکومت قائم کی اس دور میں عرب، ترک، افغان اور ایرانی خاندانوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔

حضرت علی ہجویریؒ (۱۰۰۵ عیسوی) اور حضرت شیخ حسین زنجانیؒ جیسے صوفیاء غزنی سے ہندوستان آئے اور دین اسلام پھیلایا۔

خاندانِ غزنی کے بعد غوریوں، خاندانِ غلامان، تغلقون، خلجیوں اور خاندانِ لودھی کے مسلمان بادشاہوں نے برصغیر پر حکومتیں کیں یہاں تک کہ ہندوستان پر ۱۵۲۶ عیسوی میں خاندانِ مغلیہ کی حکومت قائم ہوئی۔ مغلیہ دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلے سندھ، بنگال اور پھر سارے ہندوپاک پر قبضہ جما لیا۔ آخری مغل فرمانروا بہادر شاہ ثانی کے دور میں برصغیر پاک و ہند مکمل طور پر انگریزوں کے تسلط میں چلا گیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملے کیلئے ترغیب دی۔ برطانوی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں نے کوششیں کیں۔

ان کوششوں کی سرکردگی علماء کرتے رہے۔ ان تحاریک میں تحریک مجاہدین (۱۸۲۵ عیسوی)، جنگ آزادی (۱۸۵۷ عیسوی)، سید جمال الدین افغانی (۱۸۸۰ عیسوی) تحریک ریشمی رومال (۱۹۱۵ عیسوی) علی برادران کی سعی، تحریک خلافت (۱۹۱۹ عیسوی) اور تحریک ہجرت (۱۹۲۰ عیسوی) شامل ہیں۔

مشترکہ کوششوں کے دوران مسلمانوں نے ہندوؤں کی مکارانہ ذہنیت کو بھانپ لیا اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ایک الگ ملک کا مطالبہ کیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد لاہور منظور ہوئی جو بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی اور پاکستان کے حصول کیلئے اساس بنی۔ الگ ملک کا مطالبہ اس لئے ضروری ہوا تا کہ مسلمان اپنے نظریہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے میں آزاد اور سابقہ عظمت دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ تب تو آزادی کے بعد بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا ''قیامِ پاکستان جس کے لئے ہم گزشتہ دس سال سے جدوجہد کررہے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے اپنے لئے ایک ملک قائم کرنا ہمارا مقصود نہیں تھا بلکہ یہ ذریعہ تھا حصولِ مقصد کا۔ خیال یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کرسکیں۔ جہاں اسلام کے عدل ومساوات کے اصولوں کو آزادی سے برسرعام آنے کا موقع حاصل ہو''۔

ایک موقع پر آپ نے نظریہ پاکستان کی وضاحت ان الفاظ میں کی۔

وہ (قائداعظم) اِن لوگوں کی یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے جو جان بوجھ کر غلط فہمی پیدا کررہے ہیں کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد اسلامی شریعت پر نہ ہوگی اُنہوں نے فرمایا کہ اسلامی اصول آج بھی ویسے ہی قابل عمل ہیں۔ جیسے آج سے تیرہ سو سال قبل تھے۔

بانی پاکستان کے ان بیانات سے نظریہ پاکستان کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے یہی نظریہ حیات قرآنی آیت:-

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط (13-40)

کے مطابق ہمیں بلا امتیاز زبان، رنگ و نسل ایک لڑی میں پروتا ہے۔ اسی نظریے کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ اِس لئے کہ نظریے کے بغیر کسی قوم کا تشخص ممکن نہیں۔ اور تشخص کے بغیر اِس قوم کا وجود بے معنی ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے نظریہ حیات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جیسے ذات پات کا تصور ہندو مذہب کا ضروری حصہ ہے۔ مگر اسلام ۔۔۔؟ میں ایسی تقسیم بالکل ناجائز ہے۔ اِسی طرح ہندوؤں کے ہاں مندر میں بت کا ہونا ضروری ہے، جبکہ مسلمانوں کے ہاں تصویر کے سامنے ہوتے ہوئے نماز درست نہیں۔ مختصراً یہ کہ

انگریزی مقولے کے مطابق۔

(My Hero is his villain and his villain is My Hero)

اسی طرح برصغیر کے مسلمان بابر کو اپنا ہیرو جب کہ ہندو رانا سانگا کو اپنا ہیرو سمجھتے ہیں۔ نظریات میں اس واضح فرق کی بدولت ایک الگ ملک کا مطالبہ ناگزیر تھا۔

ایک ایسا ملک جہاں اس منفرد نظریے کا دور دورہ ہو مسلمانوں کے لئے ضروری تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ آرزو پوری کی اور مسلمان رہنماؤں کی مساعی جمیلہ کی بدولت پاکستان کی شکل میں ایک آزاد مملکت اس خطے کے مسلمانوں کو عطاء کی۔ خالص نظریہ اسلام کے بل بوتے پر حاصل کئے گئے اِس ملک کے دفاع کی ذمہ داری ہر طرح سے اس کے تمام باشندگان کے لئے **حب الوطن من الایمان** ۔کی روشنی میں لازمی بن جاتی ہے۔ وطن سے محبت کے۔۔۔۔۔؟

سلسلہ میں نبی کریم علیہ السلام کے واقعہ ہجرت کا ذکر ضروری ہے۔ فطری طور پر آپ کو مکہ مکرمہ سے محبت تھی اس لیے کہ یہ آپ کا مسکن تھا صرف دین کی خاطر آپ نے بحکم الٰہی ہجرت فرمائی اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تو کس قدر پاکیزہ اور دلپسند شہر ہے اور تو مجھے کتنا محبوب ہے اور اگر میری قوم نے مجھے نکالا نہ ہوتا تو تجھے چھوڑ کر کسی اور جگہ نہ بستا۔

فطری محبت کا یہی تقاضا ہے کہ بچہ بچہ اس دھرتی سے محبت رکھے اور اور اس۔۔۔۔؟ کی حفاظت کرے جس میں وہ آزادی کی سانس لے رہے ہوں۔

اِسلامی جمہوریہ پاکستان کی اہمیت

پاکستان اسلام کے مقدس نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ متحدہ ہندوستان کی تقسیم کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ برصغیر میں آباد مسلمان قوم آزادی حاصل کر کے اپنے نظریے (اسلامی نظریہ حیات) کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ اِسی مطالبے کے پیش نظر ہندوستان پر قابض انگریز نے رُخصت ہوتے وقت مسلمانوں اور ہندوؤں کو آبادی کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ خطے حوالہ کیے اور اس طرح ایک نظریاتی مملکت پاکستان معرض وجود میں آ گئی۔

۱۴، ۱۵ اگست کی درمیانی شب کو دنیا کے نقشے پر وجود میں آتے ہی اسلامی مملکت خداداد پاکستان کے دفاع کی ذمہ داری شرعی اور اخلاقی ہر دو وجوہات کی بناء پر پاکستان کے عوام پر عائد ہو گئی۔ اس نظریاتی مملکت کی بقاء اور ترقی تب ممکن ہے، جب یہ بیرونی اور اندرونی دشمنوں کی زد سے محفوظ و مامون ہو۔ جنوبی ایشیاء کے حساس علاقے میں واقع ہونے پر اس کی دفاعی اہمیت اور بھی

بڑھ جاتی ہے۔ مشرق میں تقریباً تئیس سو (۲۳۰۰) کلومیٹر لمبی سرحد ہندوستان سے ملتی ہے جبکہ مغرب میں ایران، شمال مغرب میں افغانستان اور روس، شمال و مشرق میں عوامی جمہوریہ چین واقع ہیں۔ یہ امر مسلّم ہے کہ دورِ حاضر میں کسی ملک کے دفاع کی ذمہ داری اس ملک کی مسلح افواج پر عائد ہوتی ہے مگر اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ عوام بھی اس فریضے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے ہیں۔ ممالک اور نظریات کے دفاع میں عوام کسی نہ کسی شکل میں ضرور شریک ہوتے ہیں۔ کسان مزدور، اساتذہ، تاجر، ملازمین غرضیکہ ملک کے بچے بچے کا ملکی دفاع میں شریک ہونا ناگزیر ہے۔ گو کہ دفاعی منصوبہ تیار کرنا اور اسے عمل میں لانا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ یہ ذمہ داری اربابِ حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ کہ ملکی دفاع کیلئے لائحہ عمل مرتب کریں۔ مگر ملکی سالمیت اور جدید دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر عوام الناس کو بھی اس سلسلہ میں بھرپور کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ (القرآن 33-21)

نبی کریم ﷺ کی زندگی ہمارے لئے مکمل نمونہ ہے۔

مسلمان ہونے کے ناطے نبی کریمؐ کی مکمل اتباع ہم پر لازم ہے۔ نبی کریمؐ نے اپنی عملی زندگی میں باقی شعبوں کی طرح عسکری شعبے میں امت کیلئے گراں قدر اور انمول خزانے چھوڑے ہیں۔ نبی کریمؐ نے اپنی تئیس ۲۳ سالہ زندگی میں ایک خاص اور راسخ عقیدہ پر اہلِ عرب کو کھڑا کر دیا۔ ایک نئی مملکت کی صرف بنیاد ہی نہیں رکھی۔ بلکہ اسے سیاسی معاشی اور دفاعی طور پر ایسا مستحکم کر دیا جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

مردوں کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو بھی ملکی دفاع میں شریک رکھا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَغزُو بِاُمِّ سُلَيمٍ وَّ نِسوَةٍ مَّعَهَا مِنَ الاَنصَارِ يَسقِينَ المَاءَ وَيُدَاوِينَ الجَرحٰي

رسول خدا ﷺ جہاد میں ام سلیم اور انصار کے چند عورتوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کے علاج کیلئے رکھتے تھے۔

پہلی اسلامی مملکت (مدینہ منورہ) کی طرح جنوبی ایشیاء میں واقع مملکت خداداد پاکستان کی اہمیت میں گزشتہ چند سالوں سے مزید اضافہ ہوا ہے مشرق میں موجود روایتی دشمن جدید اسلحے کے انبار لگا رہا ہے۔ اپنے بجٹ کا بیس فیصد اسلحہ سازی اور غیر ملکی اسلحے کی خریداری پر خرچ کر رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں مالدیپ، سری لنکا، بوٹان، نیپال اور بنگلہ دیش کے بعد پاکستان پر اپنی بالادستی (SUPREMACY) مسلط کرنا چاہتا ہے سیاچین اور کشمیر کو ہڑپ کرنا اس کی منصوبہ بندی میں شامل ہے۔ اور اسے اٹوٹ انگ حصہ قرار دے چکا ہے مغرب کی طرف سے روس کی حریصانہ نظریں پاکستان پر مرکوز ہیں۔ افغانستان میں مداخلت اس سلسلے کی ایک کڑی

ہے۔ افغانستان میں اپنی مداخلت کے آگے پاکستان ہی کو اپنی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے۔ مغربی ممالک بھی ایران افغانستان اور پاکستان میں اسلامی حکومتوں کے قیام سے خائف ہیں اور اندرون خانہ ہر قسم کی سازش کا ساتھ دے رہے ہیں۔ غرض یہ کہ یہودی، ہندو گٹھ جوڑ پاکستان کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔

ایسے حالات میں پاکستان کے باشندوں کے لیے اشد ضروری ہے کہ قرآنی حکم ''وَخُذُوا حِذْرَكُمْ'' (اور اپنے دفاع کا خیال ضرور رکھو) پر عمل درآمد کرتے ہوئے ہر حال اور ہر وقت سر بکف رہیں۔ نیز سلطنت مدینہ کے لیے اختیار کی گئی نبی کریم ﷺ کی دفاعی تدابیر کا بار بار مطالعہ کیا جائے۔ تا کہ اپنی دفاعی پالیسی مرتب کرتے وقت ان اعلیٰ تدابیر سے استفادہ کیا جا سکے۔

زیر نظر مقالے میں شریعت کے دو بنیادی منابع (قرآن وسنت) میں دفاع کے احکام، اہمیت اور منصوبوں کا ذکر کیا جائے گا تا کہ دفاع پاکستان کیلئے جامع منصوبہ بندی کی جا سکے۔

زمانہ امن کی تزویرات (STRATEGY)

ان کا تعلق زمانہ امن میں دفاع کیلئے اُٹھائے جانے والے اقدامات سے ہے۔ یاد رہے کہ زمانہ جنگ میں بھی ان پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ ان تدابیر کے اختیار کرنے میں پیشہ ور فوج اور عوام دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ مالی لحاظ سے معمولی درجے کے فرد سے لیکر سربراہ مملکت حتیٰ کہ بیرون ملک رہائش پذیر ملکی باشندے بھی ان اقدامات کی تکمیل میں شامل ہوتے ہیں گویا یہ غیر فوجی قسم کے انتظامات ہوتے ہیں۔ مگر ان کا دفاعی سیاست پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ تدابیر طویل المعیاد (Long Term) ہوتی ہیں اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے نتیجہ میں وضع کی جاتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے قبل از ہجرت، جب باقاعدہ اسلامی مملکت قائم نہیں ہوئی تھی۔ ان تدابیر کے اجراء کا کام شروع کیا تھا۔ ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو صبر و برداشت کی تلقین اور بیعت عقبہ ثانی جیسے اُمور ان تدابیر میں شامل ہیں۔ ہجرت کے بعد مختلف قبائل سے معاہدات، مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات، مسجد نبوی کے اندر صفہ کا قیام، مروجہ جدید جنگی ٹیکنالوجی کا حصول اور اخلاقی و روحانی اصلاح کے لئے اختیار کئے گئے دیگر اقدامات میں دفاعی استحکام اور تیاری کا پہلو بھی پنہاں تھا۔ (جاری)

جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

(مسلم دنیا میں سائنس کی حالت زار پر آرن سیگال کی چشم کشا تحریر)

تلخیص، تہذیب وترجمہ (مجید رحمانی)

مختلف شماریاتی اداروں کی مرتب کردہ رپورٹوں کے مطابق سائنس کے فروغ میں مسلم دنیا کا حصہ انتہائی کمتر، اور معیار کے لحاظ سے بھی پست سطح پر ہے۔ اگر اس غیر متوازن صورتحال کو اعداد میں بیان کیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی کل آبادی کے پانچویں حصے پر مشتمل 50 سے زائد آزاد اسلامی ممالک کا حصہ (سائنس کے میدان میں) صرف 5 فیصد ہے۔ یہ وہ تناسب ہے جو بین الاقوامی سائنسی جرائد میں شائع ہونے والے تحقیقی مقالوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ دیگر شعبوں مثلاً تحقیق وترقی پر کیے جانے والے سالانہ اخراجات اور مصروف تحقیق سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد سے بھی آبادی اور سائنسی تحقیق کی غیر متوازن نسبت کی عکاسی ہوتی ہے۔

چند تلخ سوالات جنم لیتے ہیں

1۔ کیا اسلام جدید سائنس کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے؟

2۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مسلم دنیا اور مغرب بشمول مشرقی ایشیاء کے مابین اس بُعد المشرقین کی کیا توضیح ہوگی جو سائنس کے حوالے سے پایا جاتا ہے؟

3۔ اور پھر یہ سوال کہ آخر کیا تبدیلی لانا ضروری ہے تاکہ مسلم ممالک میں سائنس فروغ پاسکے؟

اہل اسلام کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ انہیں عقل اور عقیدے کے مابین مفاہمت پیدا کرنی ہے۔ مسلم دنیا میں سائنس کے پھلنے پھولنے کی راہ میں آمرانہ حکومتیں اور سرمائے کی کمی دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ بھرپور ترقی کے لئے اقدار اور اداروں میں نمایاں تبدیلیاں لانی ہوں گی۔

"تھے تو آباء وہ تمہارے ہی۔۔۔۔"

مذکورہ سوالوں کے جوابات تلاش کرنے سے قبل ہمیں ماضی میں جانا ہوگا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں مسلم دنیا کی تاریخ کا حوالہ تلاش کرنا ضروری ہے۔

مختصر اور مکمل بات یوں ہے کہ دسویں اور تیرہویں صدیوں کا درمیانی عرصہ مسلم دنیا کا عہد

زریں ہے۔ پھر، دفعتاً سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ انیسویں صدی میں ایک نیا جنم لینے کی کوشش دکھائی دیتی ہے۔ تاہم بیسویں صدی تک مایوسی اور محرومی کی تاریخ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں موجودہ کوتاہیوں کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ہزار برس قبل مسلمانوں نے سائنس کے میدان میں دنیا بھر کی قیادت کی اور یہی پہلو ایسا ہے جو انہیں اب بھی لاطینی امریکہ اور افریقہ کے صحارا ممالک سے ممیّز کرتا ہے۔

عہد زریں

نویں اور بارہویں صدی کا زمانہ مسلم سائنس کی معراج کا زمانہ ہے جب بغداد، دمشق، قاہرہ اور قرطبہ سمیت، مسلم دنیا کے دیگر شہر دنیا بھر کی رہنمائی کر رہے تھے۔ یہاں کی تجربہ گاہوں میں طب، زراعت، نباتات، ریاضی، کیمیا اور بصریات پر تحقیق ہو رہی تھی۔ جب عملی اور سائنسی قیادت کے لئے مسلم قوم تو اہل چین کے مقابل تھی، اس وقت یورپ ان دونوں سے بہت پیچھے تھا۔

چونکہ یہ سائنسی ترقی مسلم معاشروں میں ہو رہی تھی اس لئے اس پورے دورانئے کو ''مسلم عہد زریں'' کا نام ہی دیا جائے گا۔ لیکن مذہب اسلام سے وابستہ ہونے کی وجہ سے کیا اسے اسلامی عہد زریں کہا جائے گا؟

ریاستیں سرکاری طور پر اسلامی تھیں اور اسی خود اختیار کردہ اسلامی ماحول میں ہی علمی کام نے فروغ پایا۔

ٹیکنالوجی کی تاریخ لکھنے والے دو بڑے نام احمد الحسن اور ڈونالڈ آر ہل، اسلام کو مسلمانوں کی سائنسی ترقی کے لئے قوت محرکہ قرار دیتے ہیں۔ اس وقت مسلم ریاستیں ترقی کے عروج پر تھیں۔ ان مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس سائنسی انقلاب میں غیر مسلموں کے بھی اہم کردار ہے اور اس عہد کی سائنسی کامیابیوں نے آزاد اور بے تعصب علمی ماحول میں جنم لیا، جہاں کسی مذہبی جبر کا کوئی دخل نہ تھا۔

زوال کب اور کیسے شروع ہوا؟

تیرہویں صدی کے اوائل میں مسلم دنیا اپنی راہ سے بھٹکنا شروع ہوگئی جب اس کے قویٰ مضمحل ہونے لگے اور یورپی اقوام نے اچانک بیدار ہونا شروع کیا۔ تاہم اس تاریخ سے

اختلاف کرنے والے مؤرخین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مکمل زوال نہ سہی لیکن زوال کی علامتیں واضح طور سے دکھائی دے رہی تھیں۔

مارشل ہوجسن کا موقف ہے کہ 16ویں صدی تک مسلم دنیا کا آفتاب علم اپنی بلندی پر تھا اور وہ اپنے اقتدار کے عروج پر بھی تھے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اٹھارویں صدی کے آواخر میں اس آفتاب علم کو غروب ہونا نصیب ہوا۔

تاہم محرومی کا کوئی بھی لمحہ ہو، زوال کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں نے یورپ سے کچھ سیکھا نہیں برنارڈ لیوس کے الفاظ میں ''نشاۃ الثانیہ''، ''تحریک اصلاح''، ''سائنسی انقلاب'' اور ''روشن خیالی'' کے انقلاب مسلمانوں کے قریب سے گزر گئے اور انہوں نے کوئی اثر تک نہ لیا۔

اس کے بجائے مسلمانوں نے مذہبی اقلیتوں یعنی آرمینیائیوں، یونانیوں اور یہودیوں پر اپنے معاونین کی صورت انحصار کیا۔ اقلیتی اقوام کے لوگ طبیبوں اور مترجمین کی حیثیت میں مختلف کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ ان اقلیتی افراد کی معاونت سے سائنسی مہارت محدود شکل میں حاصل ہوتی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ مسلم دنیا اپنے زوال کی گاڑی بھی کھینچتی رہی۔

زوال کے عمل میں کئی عناصر شامل ہیں۔ وسیع پیمانے پر زراعت اور نظام آب پاشی کی خامیاں، منگولوں اور وسط ایشیائی تاتاریوں کے حملے، سیاسی عدم استحکام اور مذہبی عدم برداشت، یہ سب زوال کے نمایاں اسباب ہیں۔

سائنس کا احیاء

روشن خیالی کی تحریک اور فرانسیسی انقلاب کے دور میں یورپی سائنس تک مسلم دنیا کو بھی رسائی حاصل تھی۔ چنانچہ جب روشن خیالی نے سائنس کو عیسائیت سے علیحدہ کیا، تو اسی وجہ سے سائنس بھی مسلم دنیا کے لئے بھی ناپسندیدہ ہوگئی۔

فرانسیسی انقلاب اور خصوصاً 1798ء میں مصر پر نپولین کے حملے اور تسلط کی وجہ سے یورپی اسکالرز اور ماہرین بھی مسلمانوں میں سائنسی علوم رائج رکھنے کا باعث ہوئے۔ بعض حکمرانوں مثلاً مصر کے محمد علی نے یورپی تکنیکی ماہرین کی خدمات حاصل کیں اور اپنے طلباء کو اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ بھیجا۔

1850ء سے 1914ء تک کے زمانے میں مشرق وسطی میں یورپی ٹیکنالوجی کا وسیع پیمانے پر پھیلاؤ ہوا۔ مقامی معززین کے تعاون سے یورپی آقاؤں نے ہیضہ، ملیریا اور دیگر متعدی

امراض کے خاتمے کے لئے صحت عامہ کے پروگرام شروع کئے۔

1869ء میں نہر سوئز کے کھلنے سے فاصلے سمٹ گئے اور وقت کی بچت کے ساتھ نئی تجارتی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ ریلوے، ٹیلی گراف، دخانی جہاز، بھاپ کے انجن، آٹوموبائلز اور ٹیلی فون کی ایجادات مشرق وسطیٰ میں در آئیں۔ عرب حکومتوں نے ان جدید سہولتوں کی ٹیکنالوجی کی منتقلی کے عوض یورپی کمپنیوں کو اجارہ دارانہ رعایتیں دیں۔ مسلم حکمرانوں نے ٹیکنالوجی کو مقامی طور پر اختیار کرکے اپنے عوام کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔

ان حکمرانوں کیلئے سائنس کی حیثیت ثانوی نوعیت کی تھی۔ ان کی ترجیحات میں ٹیکنالوجی کے علوم اور طریقہ کار کو اختیار کرنا شامل نہیں تھا۔ غیر مسلم اقلیتوں نے دفتری اور تکنیکی خدمات ادا کرتے ہوئے معاونین کا کردار ادا کیا۔ انہی غیر مسلم اقلیتوں نے عرب ممالک میں اولین جدید تعلیمی اداروں کے قیام میں معاونت کی۔ بیروت میں ''سیرئین پروٹسٹنٹ کالج'' کا قیام 1866ء میں جبکہ یسوعی ''سینٹ جوزف کالج'' 1875ء میں قائم کیا گیا۔ استنبول، تیونس، تہران، الجزائر اور دیگر مقامات پر قائم کردہ ان تعلیمی اداروں میں ابتدائی برسوں میں غیر مسلم طلباء کے ساتھ مسلم اشرافیہ کے بچوں نے بھی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ مشرق وسطیٰ میں قائم میڈیکل اسکولوں نے جلد ہی اپنا مقام حاصل کرلیا۔ یہاں مختلف متعدی امراض کے علاج کی تعلیم دی جانے لگی۔

ان درس گاہوں میں سائنسی تحقیق کے عربی تراجم اور اشاعت کا کام بھی ہوا اور عرب دنیا میں سائنس سوسائٹیوں کے قیام کی داغ بیل ڈالی گئی۔ بیروت، قاہرہ اور دمشق میں انیسویں صدی کے اواخر میں ان سائنس سوسائٹیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ ان میں سے اکثر سائنسی اداروں کی سرپرستی میں سائنسی تحقیق کے تراجم شائع ہوتے تھے۔ چارلس ڈارون کی ''اصل الانواع'' (Origin of Species) کا، جو کہ 1859ء میں شائع ہوئی، عربی ترجمہ یہاں کے عربی جرائد میں 1876ء میں شائع ہوا جبکہ کتابی صورت میں مکمل کتاب 1918ء میں شائع ہوئی۔ اس پورے عرصے کے دوران مسلم دانشوروں کی جانب سے مغربی سائنسی افکار کی بہت معمولی مزاحمت ہوئی۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی شدید مخالفت مسلم اسکالرز کی جانب سے نہیں بلکہ مشرقی کلیسا کی جانب سے ہوئی۔

1914ء سے 1945ء کے زمانے میں آہستہ آہستہ، اور کسی قدر محرومی کی کیفیت میں مسلم

دنیا کی جانب سے یہ کوشش ہوئی کہ غیروں پر بھروسہ کرنے کے بجائے مقامی طور پر سائنس کو فروغ دیا جائے۔ جنگ عظیم کے بعد منظر عام پر آنے والے قوم پرست سیاسی رہنماؤں نے بھی سیاسی آزادی کے حصول پر تمام توجہ مرکوز رکھی جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو نظر انداز کیا جاتا رہا۔ ماسوائے ترکی کے جہاں کمال اتاترک کی قیادت میں 1922ء کے بعد صنعت کاری اور انجینئرنگ کی تعلیم عام کرانے کا ایک وسیع منصوبہ شروع کیا گیا۔ مصر، شام، عراق اور ایران میں سیاسی رہنماؤں نے صرف یہ کوشش کی کہ مقامی چھوٹی مارکیٹوں کو صنعتی اشیاء سے ترقی دی جاسکے۔ ترکی نے مختلف شعبوں بالخصوص انجینئرنگ میں کامیابی حاصل کی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ان ممالک میں مقامی طور پر سائنسی اہلیت موجود تھی۔ وہاں بیشتر ٹیکنالوجی درآمد کی گئی، چنانچہ مشینوں کی ازسرنو مرمت اور فاضل ساز وسامان کے مسائل موجود تھے۔

صرف پٹرولیم کا شعبہ ایسا ہے جہاں کچھ واضح تبدیلی ممکن ہوسکی۔ 1914ء کے بعد ایران، عراق اور سعودی عرب میں پٹرولیم کی صنعت کو فروغ ملنے کی وجہ سے کثیر الاقوامی کمپنیوں نے ارضیاتی سروے اور انجینئرنگ کے ذیلی شعبوں میں ماہرین کی خدمات مقامی آبادی سے حاصل کیں۔

مسلم دنیا، اکیسویں صدی میں

دوسری جنگ عظیم کے بعد مسلم دنیا میں پہلی مرتبہ اس ضرورت کا احساس جاگزیں ہوا کہ سائنس و ٹیکنالوجی کو مقامی طور پر فروغ دیا جانا چاہئے۔ پاکستان کے قیام کے بعد اور پھر 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد مسلمانوں کو اپنی اس کوتاہی کا احساس ہوا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ان کی محرومیاں کیوں ہیں۔ آزادی کے حصول کے بعد ان ممالک میں قومی سطح پر ٹیکنالوجی کو ترقی دینے کے احساس نے جنم لینا شروع کیا۔ مسلم ریاستوں نے ٹیکنالوجی کو قومی طاقت کا ایک حصہ سمجھتے ہوئے اس کے حصول کے لئے متعدد اقدامات کئے اور فراخ دلی سے وسائل بھی مہیا کئے لیکن ایک مرتبہ پھر سائنس کو بطور علم لائق توجہ نہ سمجھا گیا۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں عرب ممالک میں 60 سے زائد جامعات اور فنی درس گاہیں کھولی گئیں لیکن ان میں سے کوئی بھی عالمی معیار تک رسائی حاصل نہ کرسکی۔ سائنس اور انجینئرنگ کے منصوبوں کے لئے بیشتر وسائل مہیا کئے جاتے ہیں اور ذہین طلباء ان کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں طلباء مسلم دنیا کی درس گاہوں سے گریجویشن تک تعلیم حاصل کر کے

نکلتے ہیں۔ علاوہ ازیں 1950ء کے بعد سے اب تک سابقہ سوویت یونین، بھارت اور مغرب سے بھی ہزاروں طلبہ سائنس اور انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے ملکوں کو واپس آ چکے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ ساری کامیابیاں مقداری ہیں، معیاری نہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی پالیسی قومی سطح پر تیار کی جاتی ہے نہ کہ علاقائی سطح پر۔ مختلف حکومتوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے کونسلیں قائم کر رکھی ہیں۔ ان کے تحت قومی منصوبے بھی بنائے گئے اور ان کے نفاذ کی کوششیں بھی کی گئیں ہیں۔ ان مسلم ریاستوں کی سائنس پالیسیوں میں شدید انتشار پایا جاتا ہے۔

ترکی میں سرکاری اور نجی سطح پر ریسرچ کے لئے حوصلہ افزاء تعاون پایا جاتا ہے، بالخصوص آبیات (ہائیڈرولوجی) پارچہ بافی (ٹیکسٹائل) اور زراعت کے شعبوں میں۔ مصر میں بیوروکریسی کی مرکزیت کی وجہ سے خاطر خواہ عملی نتائج حاصل نہیں ہو پائے۔ پاکستان میں حکومت کے زیر نگرانی بڑے منصوبے شروع کئے گئے ہیں۔ ان میں ترجیحی بنیادوں پر ایٹمی توانائی کے شعبے میں تحقیق شامل ہے۔ تاہم عملدرآمد کی رفتار سست ہے اور کثیر سرمایہ بھی درکار ہے۔ ملائیشیا میں مقامی سرمایہ کاروں کو الیکٹرانک آلات کی تیاری اور ایکسپورٹ کی جانب مائل کرنے کے لئے انتہائی جدید اور مربوط پالیسی اختیار کی گئی ہے۔ انڈونیشیا میں کثیر سرمایہ استعمال میں لاتے ہوئے ہائی ٹیک پالیسی کا آغاز کیا گیا ہے، جس کی اساس نیشنل ایئرواسپس انڈسٹری پر رکھی گئی ہے۔

سعودی عرب، کویت اور متحدہ عرب امارات نے سائنس وٹیکنالوجی کے لئے کثیر رقم مختص کر رکھی ہے لیکن حاصل ہونے والی مہارت میں معیار کا فقدان پایا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں ''سائنس اور ٹیکنالوجی خریدنے'' کی ذہنیت بدستور کارفرما ہے۔

الجزائر، مراکش اور تیونس میں فرانسیسی ماڈل کی معتدل لیکن مرکزی پالیسی اختیار کی جاتی ہے جبکہ پرائیویٹ اداروں کے ساتھ رابطہ ہونے کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو پاتے۔ ایران اور عراق کی ساری توجہ پٹرولیم انڈسٹری اور ہتھیاروں کے حصول پر ہے۔ چنانچہ دیگر شعبے نظر انداز ہو رہے ہیں۔

سوڈان، یمن اور نو آزاد وسط ایشیائی ریاستوں میں تحقیق کرنے والوں کی کمی ہے اور جس قدر اہل افراد موجود ہیں وہ دیگر ملکوں کی جانب نقل مکانی کر رہے ہیں۔ سیاسی پابندیوں کے سبب افغانستان، لیبیا اور شام میں سائنس کی حالت قابل رحم ہو چکی ہے۔

ایران اور سوڈان کی بنیاد پرست حکومتوں نے اسلامی سائنس کو فروغ دینے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ ان کی سنجیدگی کے شعبے ''امور فحاشی'' اور ''تہذیب نسواں'' ہیں، کوانٹم میکانیات کی تعلیم نہیں۔ (آہ! علامہ اقبال کے الفاظ میں ''بے چاروں کے سر پہ عورت ہے سوار''۔ مترجم)

1979ء کے انقلاب کے بعد سائنس دانوں اور ماہرین کی کثیر تعداد نے ایران سے فرار ہو کر دیگر ملکوں میں پناہ حاصل کی۔ عراق کے ساتھ طویل تباہ کن جنگ کے بعد ایرانی حکمرانوں کو باقی ماندہ تحقیقی سائنس دانوں کی صلاحیت بروئے کار لانے کی فکر ہوئی۔ جنگ سے متاثرہ پٹرولیم کی صنعت کی بحالی کے لئے سائنس دانوں اور ماہرین کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

ایرانی اسکولوں اور جامعات میں پڑھایا جانے والا نصاب 1979ء سے قبل کے بنیادی خاکے کے مطابق بدستور موجود ہے۔ ایرانی سائنس دانوں نے علمی و تحقیقی حوالے سے بین الاقوامی معاہدوں کو قائم رکھا ہے۔ پاکستانی نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام ایران کا دورہ کر چکے ہیں۔

''دنیا بھر میں ذہانت کے فرار'' (Brain-Drain) کے سنجیدہ ترین واقعات میں سے ایک نمایاں مثال سوڈان کی ہے۔ 1960ء کے بعد کے عشروں میں سوڈان سے 5 لاکھ کے لگ بھگ فنی ماہرین اور پیشہ ور افراد ترکِ وطن کر کے سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ 1989ء میں برسر اقتدار آنے والی فوجی حکومت کو باصلاحیت اور قابل افراد کی نقل مکانی کا احساس ہوا تو اسے اپنی پالیسی میں نرمی اختیار کرنا پڑی تاکہ باقی ماندہ سائنس دان اور انجینئر سوڈان چھوڑ کر باہر نہ جائیں۔ مذہبی فلسفی حسن الترابی پرامید ہیں کہ ایک آزاد اسلامی اور جمہوری ملک میں تحقیق کے لئے کشادہ ماحول فراہم ہوگا۔ سوڈانی حکومت کو درپیش مختلف داخلی مسائل کی وجہ سے اسلامی سائنس کی جانب توجہ دینے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔

حزب اختلاف کی بنیاد پرست تحریکوں میں بھی اسلام کے نام پر ہی سہی لیکن سائنس کیلئے کوئی خواہش دکھائی نہیں دے رہی۔ مثلاً الجزائر اور تیونس کی اسلامی تحریکوں کا مطالبہ ہے کہ تمام تعلیمی سطحوں پر فرانسیسی کے بجائے عربی نافذ کر دی جائے۔ ان کا منشاء و مقصد سائنس کی مزاحمت سے زیادہ سیاسی و ثقافتی ہے۔

صرف پاکستان میں سیاسی دباؤ اور بالخصوص مذہبی طبقات کے موثر دباؤ کی وجہ سے بنیاد پرست حکام نے سائنس کو اسلامی شکل میں نافذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ 1987ء میں جنرل

ضیاء الحق کی حکومت نے تمام سطحوں پر سائنس کی تدریس میں بنیاد پرستانہ نظام شامل کئے۔
اُس وقت کی پاکستانی حکومت نے بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد کیں اور ایسے منصوبوں کے لئے فنڈز مختص کئے گئے جن میں یہ تحقیق کی جاتی تھی کہ جہنم کا درجہ حرارت کیا ہوگا؟ جنات کی کیمیائی ساخت کیا ہے؟

(یہ مصنف کا ذاتی موقف ہے، جو غلط معلومات کی بنیاد پر قائم ہے۔ کیونکہ یہ باتیں تحقیقی مقالہ جات کی صورت میں ضرور پیش کی گئی تھیں لیکن پاکستان میں ان پر سرکاری خرچ سے کوئی تحقیقی منصوبہ کبھی شروع نہیں کیا گیا۔ مدیر)

سائنسی تحقیق کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جانے کے بعد 1988ء میں برسراقتدار آنے والی سیکولر حکومت نے جدید سائنس کی تعلیم و تحقیق کا حق حاصل کر لیا۔ کثیر تعداد میں مطبوعات اور علمی معلومات کے تبادلے کے باوجود اسلامی سائنس پاکستان سے باہر بھی کوئی مقام حاصل نہ کر سکی اور نہ ہی اسے کوئی تائید حاصل ہوئی۔

اہل دانش کیا کہتے ہیں؟

پرویز ہود بھائی ایک پاکستانی طبعیات داں اور سائنسی قلم کار ہیں۔ جدید سائنس کے حوالے سے وہ مسلم دنیا میں تین نقطہ ہائے نظر کی نشان دہی کرتے ہیں۔

مسلمان بنیاد پرستوں کی ایک قلیل تعداد سائنس کو مسلم دنیا کے لئے مسترد کرتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ غیر اخلاقی اور مادی علم ہے۔ مثلاً مصر میں ایک مسلم فرقے کے رہنما کا کہنا ہے کہ وبائی امراض اللہ کی جانب سے سزائیں ہیں۔ اللہ نے بیماریوں کے جراثیم تخلیق کئے اور وہ جن لوگوں کو پسند کرتا ہے، ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اس سوچ کے حامل رہنما بیماریوں کو دور کرنے کی سائنسی تحقیق کو مسترد کرتے ہیں۔

(اس کی تازہ مثال 26 دسمبر 2004ء کا سانحہ سونامی ہے۔ متاثرین کی امداد کرنے کے لئے دنیا بھر کی حکومتوں اور افراد نے کسی مذہب کی تخصیص کے بغیر تعاون کیا۔ لیکن ایک مصری اسکالر نے عین انہی دنوں یہ فتویٰ صادر فرما دیا کہ متاثرہ علاقوں میں لوگوں کے اعمال حد سے زیادہ خراب ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے سونامی کی شکل میں ان پر ''عذاب'' نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کی مدد کرنا اسلامی کے منافی ہے۔ مدیر)

ایک بڑی تعداد میں موجود دوسرے مکتبہ فکر کے افراد، قرآن کی متوازن تشریح کے ذریعے

وحی کی شکل میں نازل ہونے والی سچائی اور موجود طبیعی سچائی کے مابین مصالحت کی راہ تلاش کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ جو کہ موثر اور مضبوط ہے، مذہب کا احترام کرتا ہے اور عقیدے اور سائنس کو آپس میں لاتعلق قرار دیتا ہے۔ یہ مکتبہ فکر باریک بینی سے تجزیہ کئے بغیر اس غیر یقینی عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ اسلام اور سائنس کے مابین کوئی تصادم نہیں ہے۔

اس مبہم انداز فکر کو سامنے رکھیں تو یہ تکلیف دہ صورتحال دکھائی دیتی ہے کہ مسلم دنیا اسلام اور سائنس کے درمیان مطابقت کی بحث میں مصروف ہے۔ چند مذہبی علماء نے سائنس کا مطالعہ کیا ہے اور وہ اس مسئلہ پر مکالمہ کرنا چاہتے ہیں۔ چند سائنسدان مذہبی طبقے کی بالادستی کو عوام الناس میں زیر بحث لانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ چند اداروں میں اس قسم کے مکالموں کے لئے فورم موجود ہیں لیکن معاشرے پر انحصار کی وجہ سے مزید حوصلہ شکنی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

ایران سمیت اکثر مسلم ممالک میں مذہبی علماء اور سائنس دانوں کے مابین ایک غیر محسوس قسم کی مفاہمت موجود ہے، جس کی وجہ سے ایسے متنازعہ امور پر بحث نہیں کی جاتی جو طرفین کے نظریات پر تنقید کا باعث ہوں۔ سائنس کے مسلمہ نظریات پر مذہبی علماء کی جانب سے کسی تنقید کے نہ ہونے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سائنسی تصورات اور قوانین کو کسی بڑے مذہبی چیلنج کا سامنا نہیں ہے۔ مثلاً نظریہ ارتقاء کے حوالے سے ڈارون کے نظریات کی تدریس سعودی عرب کے سوا دیگر تمام مسلم ممالک میں ہوتی ہے۔

اسلام اور سائنس کے مابین مفاہمت کے حوالے سے جاری بحث نے قرآن اور اس کی تعلیمات کی حقانیت اور ابدیت کو کبھی کوئی گزند نہیں پہنچائی۔

وحدانیت کے باوقار اور شفاف تصور کے ساتھ قرآن نے اللہ کو ایک ایسے خالق کی شکل میں پیش کیا ہے جو تمام جمادات اور حیات کو پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ کا ارادہ ہی تمام فطری تبدیلیوں اور واقعات کا ذمہ دار ہے۔ تمام تر فطرت اسی کی وحدانیت سے وابستہ ہے۔ بعض اسکالرز علم حیات سمیت دیگر تمام ماحولیاتی علم کا نقش اول، قرآن کو قرار دیتے ہیں۔ (بہ شکریہ گلوبل سائنس)

کائنات خدا کی گواہی دیتی ہے

مولانا وحیدالدین خاں

ٹیلی فون کی لائن میں تاروں کا پیچیدہ نظام دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے ہم کو تعجب ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ لندن سے ملبورن کے لئے ایک کال چند منٹ میں مکمل ہو جاتی ہے، مگر یہاں ایک اور مواصلاتی نظام ہے، جو اس سے کہیں زیادہ وسیع اور اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے، یہ ہمارا اپنا عصبی نظام (NERVOUS SYSTEM) ہے، جو قدرت نے قائم کر رکھا ہے، اس مواصلاتی نظام پر رات دن کروڑوں خبریں ادھر سے اُدھر دوڑتی رہتی ہیں، جو دل کو بتاتی ہیں کہ وہ کب دھڑکے مختلف اعضا کو حکم دیتی ہیں کہ وہ کب حرکت کریں، پھیپھڑے سے کہتی ہیں کہ وہ کیسے اپنا عمل کرے اگر جسم کے اندر یہ مواصلاتی نظام نہ ہو تو ہمارا پورا وجود منتشر چیزوں کا مجموعہ بن جائے جن میں سے ہر ایک الگ الگ اپنے راستے پر چل رہا ہو۔

اس مواصلاتی نظام کا مرکز انسان کا بھیجا ہے، آپ کے بھیجے کے اندر تقریباً ایک ہزار ملین عصبی خانے (NERVE CELLS) ہیں ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم کے اندر پھیلے ہوتے ہیں جن کو عصبی ریشے (NERVE FIBRES) کہتے ہیں، ان پتلے ریشوں پر خبر وصول کرنے اور حکم بھیجنے کا ایک نظام تقریباً ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہتا ہے، انہیں اعصاب کے ذریعہ ہم چکھتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، محسوس کرتے ہیں، اور سارا عمل کرتے ہیں، زبان میں تین ہزار ذائقے خانے (TASTE BUDS)، جن میں ہر ایک اپنے علیحدہ عصبی تار کے ذریعہ دماغ سے جڑا ہوا ہے، انھیں کے ذریعہ وہ ہر قسم کے مزوں کو محسوس کرتا ہے، کان میں ایک لاکھ کی تعداد میں سماعتی خانے ہوتے ہیں، انہیں خانوں سے ایک نہایت پیچیدہ عمل کے ذریعہ ہمارا دماغ سنتا ہے، ہر آنکھ میں ۱۳۰ ملین (LIGHT RECEPTORS) ہوتے ہیں جو تصویری مجموعے دماغ کو بھیجتے ہیں، ہماری تمام جلد میں حیاتی ریشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے اگر ایک گرم چیز جلد کے سامنے لائی جائے تو تقریباً ۳۰ ہزار ''گرم خانے'' اس کو محسوس کر کے فوراً دماغ کو اس کی خبر دیتے ہیں، اسی طرح جلد میں دو لاکھ پچاس ہزار خانے ایسے ہیں جو سرد چیزوں کو محسوس کرتے ہیں جب کوئی سرد چیز جسم سے ملتی ہے تو دماغ اس کی خبروں سے بھر جاتا ہے، جسم کانپنے لگتا ہے، جلد کی رگیں پھیل جاتی ہیں، فوراً مزید خون ان رگوں میں دوڑ کر آتا ہے تاکہ زیادہ گرمی پہنچائی جا سکے اگر ہم شدید گرمی سے دوچار ہوں تو گرمی کے مخبرین دماغ کو اطلاع

کرتے ہیں اور تین ملین پسینہ کے غدود (GLANDS) ایک ٹھنڈا عرق خارج کرنا شروع کرتے ہیں۔

عصبی نظام کی کئی تقسیمیں ہیں، ان میں سے ایک (AUTONOMIC BRANCH) ہے، یہ ایسے افعال انجام دیتی ہے جو خود بخود جسم کے اندر ہوتے رہتے ہیں، مثلاً ہضم، سانس لینا اور دل کی حرکت وغیرہ، پھر اس عصبی شاخ کے بھی دو حصے ہیں ایک کا نام ہے، مشارک نظام (SYMPATHATIC SYSTEM) جو کہ حرکت پیدا کرتا ہے، اور دوسرا "PARASYMPTHETIC" ہے، جو روک کا کام کرتا ہے، اگر جسم تمام تر پہلے کے قابو میں چلا جائے تو مثال کے طور پر، دل کی حرکت اتنی تیز ہو جائے کہ موت آ جائے اور اگر بالکل دوسرے کا اختیار ہو جائے تو دل کی حرکت ہی رک جائے دونوں شاخیں نہایت صحت کے ساتھ مل کر اپنا اپنا کام کرتی ہیں، جب دباؤ کے وقت فوری طاقت کی ضرورت ہوتی ہے تو "SAMPATHETIC" کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، اور دل اور پھیپھڑے تیزی سے کام کرنے لگتے ہیں، اسی طرح نیند کے وقت "PARASYMPATHETIC" کا غلبہ ہوتا ہے، جب کہ وہ تمام جسمانی حرکتوں پر سکوت طاری کر دیتا ہے۔

(مزید تفصیل کے لئے ریڈرز ڈائجسٹ اکتوبر 1956ء دیکھے)

اس طرح کے بے شمار پہلو ہیں، اور اسی طرح کائنات کی ہر چیز میں ایک زبردست نظام قائم ہے، جس کے سامنے انسانی مشینوں کے بہتر سے بہتر نظام بھی مات ہیں، اور اب تو قدرت کی نقل سائنس کا ایک مستقل موضوع بن چکا ہے، اس سے پہلے سائنس کا میدان صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ فطرت میں جو طاقتیں چھپی ہوئی ہیں، ان کو دریافت کر کے استعمال کیا جائے، مگر اب قدرت کے نظاموں کو سمجھ کر ان کی نقل کو خاص اہمیت دی جا رہی ہے، اس طرح ایک نیا علم وجود میں آیا ہے، جس کو بایونکس (BIONICS) کہتے ہیں، بایونکس، حیاتیاتی نظام (BIOLOGICAL SYSTEM) اور طریقوں کا اس غرض سے مطالعہ کرتی ہے کہ جو معلومات حاصل ہوں انہیں انجینئرنگ کے مسائل حل کرنے میں استعمال کیا جائے۔

قدرت کی نقل کرنے کی اس قسم کی مثالیں ٹیکنالوجی میں پائی جاتی ہیں، مثلاً کیمرہ دراصل بنیادی طور پر آنکھ کی میکانکی کی نقل ہے کیمرے کا لنس (LENS) آنکھ کے ڈھیلے کا بیرونی پردہ ہے، ڈائفرام (DIAPHRAGM) پردہ شکی (IRIS) ہے، اور روشنی سے متاثر ہونے والی

فلم آنکھ کا پردہ ہے، جس میں عکس دیکھنے کے لئے ڈورے اور مخروطی شکلیں ہوتی ہیں، ماسکو یونیورسٹی میں زیر صوتی ارتعاش (INFRASONIC VIBRATIONS) معلوم کرنے اور اس کی پیمائش کرنے کا ایک نمونے کا آلہ تیار کیا گیا ہے، جو طوفان کی آمد کی اطلاع ۱۲ سے ۱۵ گھنٹے پہلے تک دے دیتا ہے، یہ مروجہ آلوں سے پانچ گنا زیادہ طاقت ور ہے، اس کا خیال کس نے پیدا کیا؟ جیلی مچھلی (FISH JELLY) نے انجینئروں نے اس کے اعضا کی نقل کی، جو جوزیر صوتی ارتعاش محسوس کرنے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔

(SOVIET LAND,DEC,1963)

اس طرح کی اور بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، طبعیاتی سائنس اور ٹیکنالوجی درحقیقت نئے تصورات کی نقل قدرت کے زندہ نمونوں سے حاصل کرتی ہے، بہت سے مسائل جو سائنس دانوں کے تخیل پر بوجھ بنے ہوئے ہیں قدرت ان کو مدتوں پہلے حل کر چکی ہے، پھر جس طرح کیمرہ اور ٹیلی پرنٹر کا ایک نظام انسانی ذہن کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا اسی طرح یہ بھی ناقابل تصور ہے کہ کائنات کا پیچیدہ ترین نظام کسی ذہن کے بغیر اپنے آپ قائم ہو، کائنات کی تنظیم قدرتی طور پر ایک انجینئر اور ایک ناظم کا تقاضہ کرتی ہے، اسی کا نام خدا ہے، ہم کو جو ذہن ملا ہے، وہ ناظم کے بغیر تنظیم کا تصور نہیں کر سکتا، اس لئے غیر معقول بات یہ نہیں ہے کہ ہم کائناتی تنظیم کے لئے ایک ناظم کا اقرار کریں، بلکہ یہ غیر معقول رویہ ہوگا کہ ہم اس تنظیم کے ناظم کو ماننے سے انکار کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی ذہن کے پاس خدا سے انکار کے لئے کوئی عقلی بنیاد نہیں ہے۔

3۔ کائنات کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے مانند نہیں ہے بلکہ اس کے اندر حیرت انگیز معنویت ہے یہ واقعہ صریح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی تخلیق وتدبیر میں کوئی ذہن کام کر رہا ہے ذہنی عمل کے بغیر کسی چیز میں ایسی معنویت پیدا نہیں ہو سکتی، محض اندھے مادی عمل سے اتفاقی طور پر وجود میں آجانے والی کائنات میں تسلسل، نظم اور معنویت کے پائے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، کائنات اس قدر حیرت انگیز طور پر موزوں اور مناسب حال ہے کہ یہ ناقابل تصور ہے کہ یہ مناسبت اور موزونیت خود بخود محض اتفاقاً واقعہ میں آگئی ہو۔۔۔ چاڈواش کے (CHADVALSH) کے الفاظ ہیں:۔

"ایک شخص خواہ وہ خدا کا اقرار کرنے والا ہو یا اس کا منکر ہو، جائز طور پر اس سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ دکھائے کہ اتفاق کا توازن اس کے حق میں کس طرح ہو جاتا ہے"۔

زمین پر زندگی کے پائے جانے کے لئے اتنے مختلف حالات کی موجودگی ناگزیر ہے کہ ریاضیاتی طور پر یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ اپنے مخصوص تناسب میں محض اتفاقاً زمین کے اوپر اکٹھا ہو جائیں، اب اگر ایسے حالات پائے جاتے ہیں تو لازماً یہ ماننا ہوگا کہ فطرت میں کوئی ذی شعور رہنمائی موجود ہے جو ان حالات کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔

زمین اپنی جسامت کے اعتبار سے کائنات میں ایک ذرے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی، مگر اس کے باوجود وہ ہماری تمام معلوم دنیاؤں میں اہم ترین ہے، کیونکہ اسکے اوپر حیرت انگیز طور پر وہ حالات مہیا ہیں، جو ہمارے علم کے مطابق اس وسیع کائنات میں کہیں نہیں پائے جاتے۔

سب سے پہلے زمین کی جسامت کو لیجئے، اگر اس کا حجم کم یا زیادہ ہوتا تو اس پر زندگی محال ہو جاتی مثلاً کرۂ زمین، اگر چاند اتنا چھوٹا ہوتا، یعنی اس کا قطر موجودہ قطر کی نسبت سے 1/4 ہوتا تو اس کی کشش ثقل، زمین کی موجودہ کشش کا 1/2 رہ جائی، کشش کی اس کمی کا نتیجہ یہ ہوجاتا کہ ہماری دنیا پانی اور ہوا کو اپنے اوپر روک نہ سکتی، جیسا کہ جسامت کی اسی کمی کی وجہ سے چاند میں واقع ہوا ہے، چاند پر اس وقت نہ تو پانی ہے اور نہ کوئی ہوائی کرہ ہے، ہوا کا غلاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ رات کے وقت بے حد سرد ہو جاتا ہے اور دن کے وقت تنور کے مانند جلنے لگتا ہے، اسی طرح کم جسامت کی زمین جب کشش کی کمی کی وجہ سے پانی کی اس کثیر مقدار کو روک نہ سکتی جو زمین پر موسمی اعتدال کو باقی رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے اور اسی بنا پر ایک سائنس داں نے اس کو عظیم توازنی پہیہ (Great Balance Wheel) کا نام دیا ہے اور ہوا کا موجودہ غلاف اڑ کر فضا میں کم ہو جاتا تو اس کا حال یہ ہوتا کہ اس کی سطح پر درجہ حرارت چڑھتا تو انتہائی حد تک چڑھ جاتا، اور گرتا تو انتہائی حد تک گر جاتا، اس کے برعکس اگر زمین کا قطر موجودہ کی نسبت سے دگنا ہوتا تو اس کی کشش ثقل بھی دگنی بڑھ جاتی، کشش کے اس اضافہ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا، جو اس وقت زمین کے اوپر پانچ سو میل کی بلندی تک پائی جاتی ہے، وہ کھنچ کر بہت نیچے تک سمٹ جاتی، اس کے دباؤ میں فی مربع انچ ۱۵ تا ۳۰ پونڈ کا اضافہ ہو جاتا جس کا ردعمل مختلف صورتوں میں زندگی کے لئے نہایت مہلک ثابت ہو، اور اگر زمین سورج کے اتنی بڑی ہوتی اور اس کی کثافت برقرار رہتی تو اس کی کشش ثقل ڈیڑھ سو گنا بڑھ جاتی، ہوا کے غلاف کی دبازت گھٹ کر پانچ سو میل کے بجائے صرف چار میل رہ جاتی، نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا کا دباؤ ایک ٹن فی مربع انچ تک جا پہنچتا، اس غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے زندہ اجسام کا نشوونما ممکن نہ رہتا، ایک پونڈ وزنی جانور کا وزن ایک سو پچاس

پونڈ ہو جاتا انسان کا جسم گھٹ کر گلہری کے برابر ہو جاتا اور اس میں کسی قسم کی ذہنی زندگی ناممکن ہو جاتی، کیونکہ انسانی ذہانت حاصل کرنے کے لئے بہت کثیر مقدار میں اعصابی ریشوں کی موجودگی ضروری ہے اور اس طرح کے پھیلے ہوئے ریشوں کا نظام ایک خاص درجہ کی جسامت ہی میں پایا جاسکتا ہے۔

بظاہر ہم زمین کے اوپر ہیں، مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہم اس کے نیچے سر کے بل لٹکے ہوئے ہیں، زمین گویا فضا میں معلق ایک گیند ہے، جس کے چاروں طرف انسان بستے ہیں، کوئی شخص ہندوستان کی زمین پر کھڑا ہو تو امریکہ کے لوگ بالکل اس کے نیچے ہوں گے اور امریکہ میں کھڑا ہو تو ہندوستان اس کے نیچے ہوگا پھر زمین ٹھہری ہوئی نہیں ہے، بلکہ ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مسلسل گھوم رہی ہے، ایسی حالت میں زمین کی سطح پر ہمارا انجام وہی ہونا چاہئے جیسے سائیکل کے پہیئے پر کنکریاں رکھ کر پہیئے کو تیزی سے گھما دیا جائے مگر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ ایک خاص تناسب سے زمین کی کشش اور ہوا کا دباؤ ہم کو ٹھہرائے ہوئے ہیں، زمین کے اندر غیر معمولی قوت کشش ہے جس کی وجہ سے وہ تمام چیزوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور اوپر سے ہوا کا مسلسل دباؤ پڑتا ہے، اسی دوطرفہ عمل نے ہم کو زمین کے گولے پر چاروں طرف لٹکا رکھا ہے، ہوا کے ذریعہ جو دباؤ پڑتا ہے وہ جسم کے ہر ایک مربع انچ پر تقریباً ساڑھے سات سیر تک معلوم کیا گیا ہے، یعنی ایک اوسط آدمی کے سارے جسم پر تقریباً ۲۸۰ من کا دباؤ، آدمی اس وزن کو محسوس نہیں کرتا کیونکہ ہوا جسم کے چاروں طرف ہے۔ دباؤ ہر طرف سے پڑتا ہے اس لئے آدمی کو محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ پانی میں غوطہ لگانے کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ہوا ــــــ جو مختلف گیسوں کے مخصوص مرکب کا نام ہے اس کے بے شمار دیگر فائدے ہیں جن کا بیان کسی کتاب میں ممکن نہیں۔

نیوٹن اپنے مشاہدہ اور مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، مگر اجسام کیوں ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، چنانچہ اس نے کہا کہ میں اس کی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا، وائٹ ہڈ (A.N.Whitehead) اس کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے:۔

''نیوٹن نے یہ کہہ کر ایک عظیم فلسفیانہ حقیقت کا اظہار کیا ہے کیونکہ فطرت اگر بے روح فطرت ہے تو وہ ہم کو توجیہہ نہیں دے سکتی ویسے ہی جیسے مردہ آدمی کوئی واقعہ نہیں بتا سکتا، تمام عقلی

منطقی توجیہات آخری طور پر ایک مقصدیت کا اظہار ہیں جبکہ مردہ کائنات میں کسی مقصدیت کا
اور تصور نہیں کیا جا سکتا"۔

(The Age of Analysis, P.85)

وائٹ ہڈ کے الفاظ کو آگے بڑھاتے ہوئے میں کہوں گا کہ کائنات اگر کسی صاحب شعور کے زیر اہتمام نہیں ہے تو اس کے اندر اتنی معنویت کیوں پائی جاتی ہے۔

زمین اپنے محور پر چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کر لیتی ہے، یا یوں کہئے کہ وہ اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے، فرض کرو اس کی رفتار دو سو میل فی گھنٹہ ہو جائے، ایسی صورت میں ہمارے دن اور ہماری راتیں موجودہ کی نسبت سے دس گنا زیادہ لمبے ہو جائیں گے گرمیوں کا سخت سورج ہر دن تمام نباتات کو جلا دے گا اور جو بچے گا وہ لمبی رات کی ٹھنڈک میں پالے کی نذر ہو جائے گا سورج جو اس وقت ہمارے لئے زندگی کا سرچشمہ ہے اس کی سطح پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ کا ٹمپریچر ہے اور زمین سے اس کا فاصلہ تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے اور یہ فاصلہ حیرت انگیز طور پر مسلسل قائم ہے یہ واقعہ ہمارے لئے بے حد اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اگر یہ فاصلہ گھٹ جائے، مثلاً سورج نصف کے بقدر قریب آجائے تو زمین پر اتنی گرمی پیدا ہو کہ اس گرمی سے کاغذ جلنے لگے اور اگر موجودہ فاصلہ دگنا ہو جائے تو اتنی ٹھنڈک پیدا ہو کہ زندگی باقی نہ رہے، یہی صورت اس وقت پیدا ہو گی جب موجودہ سورج کی جگہ کوئی دوسرا غیر معمولی ستارہ آجائے مثلاً ایک بہت بڑا ستارہ ہے، جس کی گرمی ہمارے سورج سے دس ہزار گنا زیادہ ہے اگر وہ سورج کی جگہ ہوتا تو زمین کو آگ کی بھٹی بنا دیتا۔

زمین ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتی ہوئی فضا میں جھکی ہوئی ہے، یہ جھکاؤ ہمیں ہمارے موسم دیتا ہے اس کے نتیجے میں زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ آبادکاری کے قابل ہو گیا ہے اور مختلف قسم کے نباتات اور پیداوار حاصل ہوتی ہیں، اگر زمین اس طرح سے جھکی ہوئی نہ ہوتی تو قطبین پر ہمیشہ اندھیرا چھایا رہتا، سمندر کے بخارات شمال اور جنوب کی جانب سفر کرتے اور زمین پر یا تو برف کے ڈھیر ہوتے یا صحرائی میدان۔ اس طرح کے اور بہت سے اثرات ہوتے جس کے نتیجے میں بغیر جھکی ہوئی زمین پر زندگی ناممکن ہو جاتی۔

یہ کس قدر ناقابل قیاس بات ہے کہ مادہ نے خود کو اپنے آپ اس قدر موزوں اور مناسب شکل میں منظم کر لیا!

اگر سائنس دانوں کا قیاس صحیح ہے کہ زمین سورج سے ٹوٹ کر نکلی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں زمین کا درجہ حرارت وہی رہا ہوگا جو سورج کا ہے یعنی بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ۔ اس کے بعد وہ دھیرے دھیرے ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن کا ملاپ اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک زمین کا درجہ حرارت گھٹ کر چار ہزار ڈگری پر نہ آ جائے اسی موقع پر دونوں گیسوں کے باہم ملنے سے پانی بنا۔ اس کے بعد کروڑوں سال تک زمین کی سطح اور اس کی فضا میں زبردست انقلابات ہوتے رہے یہاں تک کہ غالباً ایک بلین سال پہلے زمین اپنی موجودہ شکل میں تیار ہوئی۔ زمین کی فضا میں جو گیسیں تھیں ان کا ایک بڑا حصہ خلا میں چلا گیا ایک حصے نے پانی کے مرکب کی صورت اختیار کی ایک حصہ زمین کی تمام چیزوں میں جذب ہو گیا اور ایک حصہ ہوا کی شکل میں ہماری فضا میں باقی رہ گیا جس کا بیشتر جزو آکسیجن اور نائٹروجن ہے یہ ہوا اپنی کثافت کے اعتبار سے زمین کا تقریباً دس لاکھواں حصہ ہے۔۔۔۔۔ کیوں نہیں ایسا ہوا کہ تمام گیسیں جذب ہو جاتیں یا کیوں ایسا نہیں ہوا کہ موجودہ کی نسبت سے ہوا کی مقدار بہت زیادہ ہوتی۔ دونوں صورتوں میں انسان زندہ نہیں رہ سکتا تھا یا اگر بڑھی ہوئی گیسوں کے ہزاروں پونڈ فی مربع انچ بوجھ کے نیچے زندگی پیدا بھی ہوتی تو یہ ناممکن تھا کہ وہ انسان کی شکل میں نشوونما پا سکے۔

زمین کی اوپری پرت اگر صرف دس فٹ موٹی ہوتی تو ہماری فضا میں آکسیجن کا وجود نہ ہوتا جس کے بغیر حیوانی زندگی ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر سمندر کچھ فٹ اور گہرے ہوتے تو وہ کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن کو جذب کر لیتے اور زمین کی سطح پر کسی قسم کی نباتات زندہ نہ رہ سکتیں۔ اگر زمین کے اوپر کی ہوائی فضا موجودہ کی نسبت سے لطیف ہوتی تو شہاب ثاقب جو ہر روز اوسطاً دو کروڑ کی تعداد میں اوپری فضا میں داخل ہوتے ہیں اور رات کے وقت ہم کو جلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں وہ زمین کے ہر حصے میں گرتے۔ یہ شہابئے چھ سے چالیس میل تک فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتے ہیں وہ زمین کے اوپر ہر آتش پذیر مادے کو جلا دیتے اور سطح زمین کو چھلنی کر دیتے۔ شہاب ثاقب کی بندوق کی گولی سے نوے گنا زیادہ رفتار آدمی جیسی مخلوق کو محض اپنی گرمی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی مگر ہوائی کرہ اپنی نہایت موزوں دبازت کی وجہ سے ہم کو اس آتشیں بوچھاڑ سے محفوظ رکھتا ہے۔ ہوائی کرہ ٹھیک اتنی کثافت رکھتا ہے کہ سورج کی کیمیائی اہمیت رکھنے والی شعاعیں (ACTINIC RAYS) اسی موزوں مقدار سے زمین پر پہنچتی ہیں جتنی نباتات کو اپنی زندگی کے لئے ضرورت ہے۔ جس سے مضر بیکٹیریا مر سکتے ہیں جس سے وٹامن تیار

ہو سکتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

کیت کا اس طرح عین ہماری ضرورتوں کے مطابق ہونا کس قدر عجیب ہے۔

زمین کی اوپر فضا چھ گیسوں کا مجموعہ ہے، جس میں تقریباً ۷۸ فیصدی نائٹروجن اور ۲۱ فیصدی آکسیجن ہے، باقی گیسیں بہت خفیف تناسب میں پائی جاتی ہیں، اس فضا سے زمین کی سطح پر تقریباً پندرہ پونڈ فی مربع انچ کا دباؤ پڑتا ہے، جس میں آکسیجن کا حصہ تین پونڈ فی مربع انچ ہے، موجودہ آکسیجن کا بقیہ حصہ زمین کی تہوں میں جذب ہے اور وہ دنیا کے تمام پانی کا ۸/۱۰ حصہ بناتا ہے، آکسیجن تمام خشکی کے جانوروں کے لئے سانس لینے کا ذریعہ ہے، اور اس مقصد کے لئے فضا کے سوا کہیں اور سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ انتہائی متحرک گیسیں کس طرح آپس میں مرکب ہوئیں اور ٹھیک اس مقدار اور اس تناسب میں فضا کے اندر باقی رہ گئیں جو زندگی کے لئے ضروری تھا، مثال کے طور پر آکسیجن اگر ۲۱ فیصدی کی بجائے پچاس فیصدی یا اس سے زیادہ مقدار میں فضا کا جز ہوتا تو سطح زمین کی تمام چیزوں میں آتش پذیری کی صلاحیت اتنی بڑھ جاتی کہ ایک درخت کے آگ پکڑتے ہی سارا جنگل بھک سے اڑ جاتا۔ اسی طرح اگر اس کا تناسب گھٹ کر دس فیصدی رہتا تو ممکن ہے زندگی صدیوں کے بعد اس سے ہم آہنگی اختیار کر لیتی مگر انسانی تہذیب موجودہ شکل میں ترقی نہیں کر سکتی تھی، اور اگر آزاد آکسیجن بھی بقیہ آکسیجن کی طرح زمین کی چیزوں میں جذب ہوگئی ہوتی تو حیوانی زندگی سرے سے ناممکن ہو جاتی۔

آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن ڈائی آکسائڈ اور کاربن گیسیں الگ الگ اور مختلف شکلوں میں مرکب ہو کر حیات کے اہم ترین عناصر ہیں یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر زندگی قائم ہے اس کا ایک فی ارب بھی امکان نہیں ہے کہ وہ تمام ایک وقت میں کسی ایک سیارہ پر اس مخصوص تناسب کے ساتھ اکٹھا ہو جائیں، ایک عالم طبعیات کے الفاظ ہیں:۔

SCIENCE HAS NO EXPLANATION TO OFFER FOR THE FACTS,AND TO SAY IT IS ACC DENTAL,IS TO DEEY MATHEMATICS

یعنی سائنس کے پاس ان حقائق کی توجیہ کے لئے کوئی چیز نہیں ہے، اور اس کو اتفاق کہنا ریاضیات سے کشتی لڑنے کے ہم معنی ہے۔ (جاری)

افکار اشفاق

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر

یااللہ ساری دنیا میں موجود ہے تیرا ہی اثر

بندہ خاکی کیا کرے گا صفات تیری بیاں

یہ اُڑنا چاہتا ہے بن بال و پر

گر تو چاہے تو ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے

تیرے قریب آنا چاہتا ہوں لیکن گناہ آلود ہوں اس لئے لگتا ہے ڈر

تیرے کرشموں سے دنیا ہے بھری ہوئی

تیری ہی نشانیاں پہچاننا ہے سب سے بہتر

تو نے انبیاء ہیں بھیجے اور آخر میں نبی اکرم ﷺ کو ہے بھیجا

ساتھ ہی وہ نسخہ کیمیا ہے بھیجا جو ہے ہر لحاظ سے برتر

تیرا پیغام ان سب نے کونے کونے میں پہنچایا

اور دنیا نکل کر اندھیرے سے ہوگئی روشن تر

وسیع کائنات ہے دوسری طرف ہے بندہ خاکی

اس کو اتنی صلاحیتیں بخشی لیکن پھر بھی رہتا ہے زمین پر

اس کو اپنی حدود کا یقیناً تعین ہے

پھر بھی جدوجہد کرتا رہتا ہے خوب سے خوب تر

کبھی یہ پہاڑوں کو مسخر کرتا ہے کبھی فضاؤں کو

اس کے آگے تیرے حکم سے محکوم ہو جاتے ہیں بحر و بر

بشر کے اندر اک پوری کائنات ہے بسی ہوئی

اور اس کی خدمت میں لگا دئے تو نے نباتات و شجر

اصل میں اس کا ٹھکانہ جہاں نہیں آخرت ہے

یہ فانی ہے پھر بھی رہتا ہے اپنے انجام سے بے خبر

یااللہ اشفاق بھی کچھ آرزوئیں و تمنائیں رکھتا ہے

اور سب سے بڑی تمنا ہے وہ بن جائے اک اچھا بشر

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف
تعمیر ملت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
چراغ راہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
طریقت توحیدیہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔
حقیقت وحدت الوجود
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔